جلد ۸۱ جولائی، اگست ۱۹۹۷ء شمارہ ۔ ۷، ۸

اس شمارے میں

انگریزی سے ترجمہ

اسلام کا فلسفہ اخلاق - ۲

کاوش: اطہر رسول، متعلم ایم اے جرنلزم

حضرت مولانا محمد علی، مفسر قرآن انگریزی و اردو

کردار کی تعمیر

سب سے ابتدائی مقصد جس پر آنحضرتؐ نے توجہ مرکوز کی اور جس کا اظہار ابتدائی الہامات سے بھی ہوتا ہے، کردار کی تعمیر تھی۔ بہت عرصہ پہلے جب معاشرتی تعلقات یا ملکی حکمت عملی سے متعلق اصطلاحات متعارف کروائی گئیں تو اس وقت بھی الہامات میں زیادہ زور انسان کے کردار کی پختگی پر دیا گیا اور یہ بات بالکل درست تھی کیونکہ صحیح قوانین بھی انسانیت کو تب ہی فائدہ پہنچا سکتے تھے جب وہ ان انسانوں نے تیار کئے ہوتے جو اعلیٰ کردار کے حامل ہوتے۔

آنحضرتؐ دوستوں اور دشمنوں میں انتہائی راستباز انسان کے طور پر جانے جاتے تھے۔ اسی وجہ سے بہت سے مواقع پر آپؐ کے بدترین دشمنوں کو بھی آپؐ کی مثالی راستبازی کا اقرار کرنا پڑا۔ اسی نسبت سے آپؐ کو امین (انتہائی وفادار اور راستباز) کہا جاتا تھا۔ خود انتہائی راستباز ہونے کی وجہ سے آپؐ نے سچائی کو اعلیٰ کردار کی بنیاد قرار دیا "یقیناً سچ نیکی کی طرف اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے اور (سچا) آدمی اس وقت تک سچ بولنا جاری رکھتا ہے جب تک کہ وہ مکمل طور پر راستباز نہیں بن جاتا اور یقیناً جھوٹ گناہ کی طرف اور گناہ آگ کی طرف لے جاتے ہیں اور وہ (جھوٹا) انسان اس وقت تک جھوٹ بولنا جاری رکھتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے پاس وہ بڑے کاذب کے طور پر لکھا جاتا ہے" (بخاری ۷۸:۶۹)۔ قرآن مجید راستبازی کو مسلمانوں کی سب سے نمایاں خصوصیت کے طور پر پیش کرتا ہے۔

"..... اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں ..... اللہ نے (ان کے لئے) مغفرت اور بڑا اجر تیار کیا ہے" (۳۵:۳۳)۔ آنحضرتؐ کی لائی ہوئی عظیم تبدیلی کے بارے میں بتاتے ہوئے قرآن مجید مسلمانوں کی راستبازی کی شہادت پیش کرتا ہے کہ وہ جھوٹی شہادت نہیں دیتے (۲۵:۷۲)۔ قرآن مجید ایک ایسے معاشرے کی بنیاد رکھتا ہے جس میں ہر ایک شخص کو حکم دیا گیا ہے کہ جب بھی وہ دوسرے شخص سے ملے تو اسے سچ بولنے کی نصیحت کرے (۱۰۳:۲-۳)۔ اور بارہا یہ اعلان کرتا ہے کہ صرف سچائی کے ذریعہ ہی جھوٹ کو للکارا اور نیچا دکھایا جا سکتا ہے۔ قرآن مجید بارہا تاکید کرتا ہے کہ ہر قیمت پر سچائی پر قائم رہنا چاہئے، چاہے کسی کے ذاتی مفاد یا اس کے دوست احباب کے مفاد کے خلاف بھی ہو "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، انصاف پر قائم ہونے والے، اللہ کے لئے گواہی دینے والے رہو، گو (معاملہ) تمہاری اپنی ذات یا ماں باپ اور قریبیوں کے خلاف ہو..... سو تم خواہش کی پیروی نہ کرو تاکہ عدل کر سکو اور اگر تم پیچدار بات کرو، (حق سے) اعراض کرو تو یقیناً جو تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے" (۴:۱۳۵)۔ سچائی کے اصول سے ہٹنے کی اس وقت بھی اجازت نہیں دی گئی، جب چاہے یہ دشمن کے حق میں بھی چلا جائے "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کے لئے کھڑے ہونے والے، انصاف کی گواہی دینے والے ہو جاؤ۔ اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو۔ یہ تقویٰ سے قریب تر ہے" (۵:۸)۔ حتیٰ کہ اگر کسی کو جابر حاکم کے سامنے سچ بولنا پڑے تو ایسا ہی کرنا چاہئے "سب سے بڑا جہاد جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے" (مشکوٰۃ ۱۷)۔ صرف سچ ہی آخرت کے دن کام آئے گا۔ "یہ وہ دن ہے کہ صادقوں کو ان کی سچائی نفع دے گی ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

ہمیشہ انہی میں رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے۔ یہ بڑی کامیابی ہے" (۱۱۹:۵)۔

آنحضرتؐ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ آپؐ نے لوگوں کو ان راہوں پر چلایا جن کے بارے میں انہوںؐ نے نشاندہی کی تھی۔ آپؐ کے پیروکاروں کے دلوں میں سچ اس قدر پختہ ہو چکا تھا کہ وہ نہ صرف اسے پسند کرتے تھے بلکہ سچ کی خاطر انہوں نے بہت سی مصیبتیں جھیلیں۔ جب دو صدیوں کے عرصہ کے بعد نقادوں نے سنت (احادیث مبارکہ) بیان کرنے والے صحابہ کرامؓ کی راستبازی کے بارے میں فیصلہ کرنے کے بارے میں بنیادی اصول وضع کئے تو اس وقت وہ سب نقاد اس نکتہ پر متفق تھے کہ کسی بھی صحابیِ رسولؐ نے جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولا۔ درحقیقت قرآن مجید کی سب سے آخر میں نازل ہونے والی وحی میں سے ایک نے اس بات کی شہادت دی: "..... اللہ نے تمہارے نزدیک ایمان کو محبوب کر دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں زینت دی ہے اور کفر اور فسق اور نافرمانی کو تمہارے نزدیک مکروہ کر دیا ہے۔ یہی بھلائی کی راہ پر چلنے والے ہیں" (۷:۴۹)۔ وفاداری میں تمام قسم کے سچ شامل ہیں جو کہ آپؐ نے بتائے تھے اور راستبازی ان میں سے ایک نمایاں ترین سچ ہے۔

استقلال

ثابت قدمی (استقلال) بھی ایک اور خصوصیت تھی جس کے بارے میں قرآن مجید میں بہت زور دیا گیا ہے جو کہ آنحضرتؐ اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں بہت نمایاں ہے۔ ہر جانب سے اذیتیں سہنے، نہایت شدید ترین مصیبتیں جھیلنے اور بظاہر مستقبل میں کامیابی کا کوئی امکان نظر نہ آنے کے باوجود، آنحضرتؐ سختی سے اپنے موقف پر ڈٹے رہے جبکہ انہیں موت کے بارے میں خطرہ بھی دلایا گیا۔ آپؐ اس وقت بھی ثابت قدم رہے جب آپؐ کو دنیاوی لالچ دیئے گئے۔ ہجرت مدینہ کے دوران، جب آپؐ ایک غار میں چھپے ہوئے تھے اور دشمن آپؐ کی تلاش میں اس کے منہ پر پہنچ گیا تھا، آپؐ نے اپنے اکلوتے ساتھی حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ان الفاظ میں حوصلہ دیا "غمگین نہ ہو، اللہ ہمارے ساتھ ہے" (۴۰:۹)۔ قرآن مجید صاف الفاظ میں بیان کرتا ہے کہ سچائی کی خاطر ثابت قدمی اختیار کرنے پر اس آدمی کا حوصلہ بڑھانے کے لئے آسمان سے فرشتے اترتے ہیں" (۴۱:۳۰-۳۱)۔ صبر اور استقلال نہ صرف ابتدائی بلکہ آخری الہامات میں بھی بارہا ذہن نشین کروائے گئے ہیں۔ (مثال کے طور پر ۱۲:۱۴، ۱۵:۴۲، ۱۱:۱۱۲-۱۱۳، ۱۱:۴۹، ۳:۱۹۹)۔ صبر و استقلال دو ایسے دروازے قرار دیئے گئے ہیں جن کے ذریعے آسمانی مدد نازل ہوتی ہے "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ صبر اور نماز کے ساتھ مدد مانگو یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے" (۲:۱۵۳)۔

جرات

ایک اور خوبی جس پر بہت زور دیا گیا، جرات تھی۔ ایک ایسا دل جس میں صرف خدا کا خوف موجود ہو اس میں خدا کے علاوہ کوئی اور خوف جاگزیں نہیں ہو سکتا اور یہی خوبی ہے جو مسلمانوں کو سخت ترین حالات میں بھی بے خوف بنا دیتی ہے "وہ جن کو لوگوں نے کہا کہ لوگوں نے تمہارے (مقابلے) کے لئے (لشکر) جمع کئے ہیں۔ پس ان سے ڈرو تو اس (بات) نے ان کا ایمان بڑھایا اور انہوں نے کہا اللہ ہمارے لئے کافی ہے اور کیا ہی اچھا کارساز ہے۔ .... انہیں کوئی دکھ نہ پہنچا اور انہوں نے اللہ کی رضا کی پیروی کی .... یہ شیطان صرف اپنے دوستوں کو ڈراتا ہے۔ سو تم ان سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر تم مومن ہو" (۳:۱۷۲-۱۷۴)۔ "مت ڈرو میں تمہارے ساتھ ہوں۔ سنتا اور دیکھتا ہوں" (۲۰:۴۶)۔ "وہ لوگ جو اللہ کے پیغامات کو پہنچاتے ہیں اور اسی سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوائے کسی سے نہیں ڈرتے اور اللہ حساب لینے والا بس ہے" (۳۳:۳۹)۔ "وہ لوگ جو کہتے ہیں اللہ ہمارا رب ہے پھر سیدھی راہ پر جمے رہتے ہیں تو ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے" (۴۶:۱۳)۔ "اللہ کے دوستوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے" (۱۰:۶۲)۔ یہ آنحضرت کے

دور میں مسلمانوں کی بے خوفی اور اعلیٰ اخلاقی جرات کا نتیجہ ہی تھا کہ مسلمانوں نے تین سے دس گنا دشمن کے خلاف اپنا دفاع کیا اور موقع پر سرخرو ہوئے۔ بعدازاں' جب انہوں نے سلطنت فارس اور روم کے خلاف جنگیں لڑیں تو ان کا دشمن کی فوج کے ساتھ تعداد میں کوئی مقابلہ نہ تھا' مگر پھر بھی مسلمان ہمیشہ فتح یاب ہوئے۔ انہوں نے میدان جنگ میں جس جرات کا مظاہرہ کیا' درحقیقت وہ ان کے مضبوط ایمان کی بدولت ممکن ہوا۔

البتہ سچائی کی راہ میں مخالفت کا اس قدر بہادری سے مقابلہ کرتے وقت مسلمانوں کو اپنے اندر انکساری پیدا کرنے کی ضرورت تھی "اور زمین پر اکڑتا ہوا نہ چل ...." (۱۷:۳۷)۔ "اور لوگوں سے بے رخی نہ کر اور نہ زمین میں اکڑتا ہوا چل۔ اللہ کسی خود پسند شیخی خورہ کو پسند نہیں کرتا" (۳۱:۱۸)۔ "..... وہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ...." (۱۶:۲۳)۔ درحقیقت انکساری مسلمان کے دل میں پنجگانہ نمازوں کی وجہ سے بہت اچھی طرح راسخ ہونی چاہئے۔ جب مساوات کی بنیاد پر تمام قیام کرنے والے ایک جسم کی مانند اپنے مالک کے سامنے جھکتے ہیں۔ اس ضمن میں آپؐ کی مثال چراغ راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ دوسروں کے ساتھ اپنے سلوک میں آپؐ نے ہمیشہ انکساری اختیار کی اور کبھی بھی دوسروں سے نمایاں ہو کر نہیں بیٹھے۔ انکساری کے ساتھ ساتھ بے غرضی بھی ایک عظیم خوبی ہے جس سے اسلام مسلمان کو زندگی کی جنگ کے لئے مسلح کرتا ہے۔ قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر بیان ہوتا ہے کہ ذاتی فائدے اور نقصان کی بجائے اللہ کی خوشنودی انسان کے ہر عمل کے پس منظر میں موجود ہونا چاہئے۔

اسلام میں ایفائے عہد اور امانتوں کے سلسلے میں وفاداری پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے "جو اپنی امانتوں اور عہد کا پاس رکھنے والے ہیں" راست بازوں کی نشانیوں کے طور پر دو مقامات پر بیان کئے گئے ہیں: (۲۳:۸' ۷۰:۳۲)۔ اس کے علاوہ بھی ہدایت کی گئی ہے: "اور عہد کو پورا کرو کیونکہ ہر (عہد) کے متعلق سوال کیا جائے گا" (۱۷:۳۴)۔

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو' اقراروں (عقود) کو پورا کرو" (۵:۱)۔ عقود' (واحد: عقد) نہ صرف عہد بلکہ معاہدہ' میثاق' اتحاد' اقرارنامہ اور خدائی احکامات کے اقرار لئے بھی استعمال ہو سکتا ہے۔ خدا کے عہد اور انسانوں اور قوموں کے درمیان عہد ایفا کرنے کے فرض کے بارے میں بھی ذکر کیا گیا ہے (۱۶:۹۱-۹۲)۔ لہٰذا قانون کا احترام' خواہ وہ مذہبی ہو یا دنیاوی' ایک ہی مقام پر رکھا گیا ہے۔ ان تعلیمات پر پورا اترتے ہوئے آنحضرتؐ اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ اپنے معاہدات پر نہایت صبر آزما حالات کے باوجود سختی سے قائم رہے۔

تاریخ میں ہمیں ایک بھی ایسا مقام نظر نہیں آتا جہاں انہوں نے کسی قوم سے کئے گئے معاہدے کو توڑا ہو۔ اس ضمن میں آپؐ کے دور کی خاص مثال' صلح حدیبیہ کی ہے۔ جس میں ایک مسلمان مہاجر ابو جندل کو جس پر دشمنوں نے تشدد کیا تھا' کو صلح کی شرائط کے مطابق واپس کرنا پڑا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دور حکومت میں' مسلمان جرنیل حضرت ابوعبیدہ کو ایک مقبوضہ علاقے حمس کو چھوڑنا پڑا جس پر دشمن قبضہ کرنے والا تھا۔ اس پر انہوںؓ نے حکم دیا کہ وہ ٹیکس (جزیہ) جو وہاں کے لوگوں سے ان کی حفاظت کے لئے لیا جاتا تھا' واپس کر دیا جائے۔ کیونکہ مسلمان اب ان کی مزید حفاظت نہیں کر سکتے۔ اس درجہ کی دیانتداری اور معاہدات کے لحاظ کی کوئی اور مثال کہیں نہیں ملتی۔

قرآن مجید میں منافقت کی نہایت سخت الفاظ میں مذمت کی گئی ہے۔ جہنم میں منافقوں کا مقام سب سے نیچے قرار دیا گیا ہے (۴:۱۴۵)۔ اور ایسے الفاظ منہ سے ادا کرنا جو کہ دل میں نہیں ہیں' کی بارہا مذمت کی گئی ہے۔

شکر گذاری

تمام اوصاف جو انسان کو اعلیٰ اخلاقی سطح پر کھڑا کر سکتے ہیں' ایک ایک کر کے شامل ہوتے گئے۔ شکرگذاری ان میں سے ایک وصف تھا۔ "اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری کرو

گے تو میرا عذاب بھی سخت ہے" (۱۴:۷)۔ "ان پاکیزہ چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو" (۲:۱۷۲)۔ "اگر تم ناشکری کرو تو اللہ تم سے بے نیاز ہے اور وہ اپنے بندوں کے لئے ناشکری پسند نہیں کرتا اور اگر تم شکر کرو تو وہ اسے تمہارے لئے پسند کرتا ہے" (۳۹:۷)۔ انسان کو دوسرے انسانوں کا شکر گزار ہونے کی بھی ضرورت ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: "جو انسانوں کا شکرگزار نہیں' وہ اللہ کا شکرگزار نہیں ہو سکتا"۔ انسانوں کا شکرگزار ہونے سے مراد ان کی نیکی کا جواب دینا ہے "نیکی کا بدلہ سوائے نیکی کے کچھ نہیں" (۵۵:۶۰)۔

قرآن مجید میں بیان کردہ اعلیٰ اخلاقی اصول آنحضرتؐ کے اخلاقی اصول تھے اور یہی وہ شکل ہے جس میں آپؐ اپنے پیروکاروں کے کردار کو ڈھالنا چاہتے تھے۔ حتیٰ کہ آپؐ کے صحابہ کرامؓ اور پہلے چار جانشینوں کی جو کہ ایک وسیع سلطنت کے حکمران تھے' زندگی پر سرسری نظر ڈالنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آنحضرتؐ نے اس ضمن میں ایک عظیم کامیابی حاصل کی ہے۔ وہ اعلیٰ اخلاقی سطح جس پر آنحضرتؐ کے صحابہ کرامؓ کھڑے تھے' کی وضاحت قرآن مجید میں ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے: "اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر انکساری سے چلتے ہیں اور جب جاہل انہیں خطاب کرتے ہیں تو کہتے ہیں سلام اور جب رات گذارتے ہیں اپنے رب کے آگے سجدہ کرتے اور کھڑے ہو کر.... اور وہ جو جب خرچ کرتے ہیں تو نہ بے جا خرچ کرتے ہیں اور نہ (موقع پر) تنگی کرتے ہیں اور (ان کا خرچ) ان (دو حالتوں) کے درمیان اعتدال پر ہے اور وہ جو اللہ کے ساتھ دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور کسی جان کو جسے اللہ نے حرام کیا ہے' قتل نہیں کرتے سوائے اس کے کہ انصاف چاہے اور نہ زنا کرتے ہیں۔ .... اور وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب لغو پر گزرتے ہیں تو بزرگانہ طور پر گزرتے ہیں اور وہ کہ جب انہیں ان کے رب کے حکموں سے نصیحت کی جاتی ہے تو ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے اور وہ جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں اپنی بیویوں اور اپنی اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں متقیوں کا امام بنا۔ انہیں بلند مقام بدلہ میں دیا جائے گا۔ اس لئے کہ انہوں نے صبر کیا اور اس میں انہیں دعا اور سلامتی ملے گی" (۲۵:۶۳-۷۵)۔

معاشرتی طرز عمل

قرآن مجید اور سنت نبویؐ کے مطابق' اچھے اقدار و اطوار ہی ایک انسان کی عظمت کا اصل معیار ہیں۔ "تم میں سے اللہ کے نزدیک سب سے شریف وہ ہے جو سب سے پرہیزگار ہے" (۴۹:۱۳)۔ آپؐ فرمایا کرتے تھے "تم میں سے بہترین وہ ہے جو بہترین اخلاقی اقدار رکھتے ہیں" (بخاری ۶۱:۲۳)۔ اسلام کے اخلاقی ضابطہ میں والدین کے ساتھ احترام اور نرمی کے سلوک کو بہت بلند مقام دیا گیا ہے۔ "اور ماں باپ سے نیکی کرو' اگر تیرے سامنے دونوں میں سے ایک یا دونوں ہی بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اف (تک) نہ کہہ اور نہ ان کو ڈانٹ اور ان دونوں سے ادب سے بات کر اور ان دونوں کے آگے رحم کے ساتھ عاجزی کا بازو جھکا اور کہہ اے میرے رب تو ان پر رحم کر جس طرح انہوں نے مجھے چھوٹے ہوتے ہوئے پالا" (۱۷:۲۳-۲۴)۔ والدین کی فرمانبرداری کے فرض کے بارے میں قرآن مجید نے جس قدر زور دیا ہے' وہ ان دو آیات کریمہ سے واضح ہے "اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے حق میں تاکیدی حکم دیا ہے.... کہ میرا شکر کرو اور اپنے ماں باپ کا بھی۔ میری طرف انجام کار آنا ہے اور اگر وہ تجھ پر زور دیں کہ میرے ساتھ اسے شریک کر جس کا تمہیں علم نہیں' تو ان کی بات نہ مان اور دنیا میں ان کا اچھی طرح ساتھ دے اور اس کے رستے کی پیروی کر جو میری طرف رجوع کرتا ہے ...." (۳۱:۱۴-۱۵)۔ یہاں اس صورت میں والدین کی نافرمانی جائز ہے جب والدین کا فرمان' اللہ کے فرمان سے متصادم ہو جائے' البتہ اس صورت میں بھی ان سے حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔ آنحضرتؐ کی جانب سے ماں کا خاص خیال رکھنے پر اس حد تک زور دیا گیا ہے کہ آپؐ کے

ارشاد کے مطابق جنت ماں کے دونوں قدموں تلے بیان کی گئی ہے۔ ایک حدیث مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک صحابیؓ رسول نے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلح لشکر میں شمولیت کی خواہش ظاہر کی۔ اس پر آنحضرتؐ نے اس سے پوچھا کہ آیا ان کی ماں زندہ ہے؟ اثبات میں جواب ملنے پر آپؐ نے فرمایا "تو پھر اس کی خدمت میں جڑے رہو کیونکہ جنت اس کے دونوں پیروں تلے ہے" (نسائی ۲۵:۶)۔ ایک اور صحابیؓ نے ایک مرتبہ آپؐ سے عرض کی "وہ کون سی ہستی ہے جس کا مجھ پر سب سے زیادہ حق ہے کہ میں اس کے ساتھ بہترین سلوک کروں؟" اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا "تمہاری ماں"۔ اس صحابیؓ نے دوبارہ عرض کی: "اس کے بعد؟" اس پر آپؐ نے دوبارہ فرمایا: "تمہاری ماں"۔ صحابیؓ نے پھر عرض کی "پھر اس کے بعد؟" آپؐ نے فرمایا: "پھر اس کے بعد تمہارا باپ"۔

دوسری جانب والدین کو اولاد سے نرم روی اور مشفقانہ سلوک کی ہدایت کی گئی ہے۔ آپؐ نے والدین کی اپنی اولاد کی نگہداشت اور حفاظت کے عمل کو ان کے لئے جہنم کی آگ سے بچاؤ کا ذریعہ قرار دیا ہے (بخاری ۱۰:۲۴)۔ ایک اور حدیث مبارکہ کے مطابق، آپؐ نے ارشاد فرمایا: "وہ ہم میں سے نہیں جو چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور بڑوں کی عزت نہیں کرتا" (مشکوۃ ۱۵:۲۴)۔ یہ حدیث مبارکہ ہر ایک شخص کے لئے برابر ہے چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا اور کسی بھی حیثیت کا ہو۔

پوری انسانیت کا اتحاد اور اخوت اسلام کا بنیادی تصور ہے۔ البتہ تمام مسلمانوں کو آپس میں رحم دلی کے ساتھ رہنے اور ایک دوسرے سے تعاون کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ قرآن مجید میں کثرت سے تمام اہل ایمان کو آپس میں بھائی بھائی قرار دیا گیا ہے اور "آپس میں رحم کرنے والے" (۲۹:۴۸)۔ خاص طور پر دوسروں کی تضحیک، دوسرے مسلمانوں کا تمسخر اڑانے، کمزوریاں نکالنے اور دوسروں کے بارے میں غیر ضروری طور پر ٹوہ میں رہنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو (ایک) قوم (دوسری) قوم پر ہنسی نہ کرے شاید وہ ان سے بہتر ہو اور نہ عورتیں (دوسری) عورتوں پر (ہنسیں) شاید وہ ان سے بہتر ہوں اور اپنے لوگوں کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کو نام دھرو، ایمان کے بعد برا نام کیا ہی برا ہے..... اے لوگو! جو ایمان لائے ہو بہت گمان (بد) کرنے سے بچو۔ کیونکہ بعض بدگمانی گناہ ہے اور نہ ایک دوسرے کے بھید ٹٹولو اور نہ ایک دوسرے کو پیٹھ پیچھے برا کہو۔ کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے تو تم اس سے کراہت کرتے ہو اور اللہ کا تقویٰ کرو۔ اللہ رجوع کرنے والا رحم کرنے والا ہے" (۴۹:۱۱-۱۲)۔ ایک حدیث مبارکہ کے مطابق مسلمان ایک ہی وجود کے حصے ہیں اور یہ انسانی جسم سے مطابقت رکھتا ہے۔ جب ان حصوں میں سے ایک حصہ بیمار ہوتا ہے تو پورا جسم بیمار ہو جاتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا "تم ایمان والوں کو ان کے آپس میں رحم، محبت اور جسم جیسی انسیت کے سلوک سے پہچان لو گے۔ ان میں سے جب ایک حصہ بیمار ہوتا ہے تو تمام جسم بیمار ہو جاتا ہے۔ ایک حصہ دیگر تمام حصوں کو بخار میں جگائے رکھتا ہے (بخاری ۷۸:۲۷)۔ احادیث مبارکہ کی کتب میں اس قسم کی احادیث کا ذکر بکثرت موجود ہے جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

"ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ وہ اس کے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں کرتا اور نہ ہی اسے (کسی) ناانصافی کا شکار ہونے کے لئے اکیلا چھوڑتا ہے اور جو اپنے (مسلمان) بھائی کی ضرورت پوری کرتا ہے، اللہ اس کی ضرورت پوری کرتا ہے اور جو کوئی ایک مسلمان کی مصیبت کو دور کرتا ہے، اللہ اس سے یوم حساب کی مصیبتیں دور کرتا ہے اور جو کوئی ایک مسلمان کی خطا سے پردہ پوشی کرتا ہے، اللہ یوم حساب کے روز اس کے گناہوں پر پردہ ڈالے گا" (بخاری ۳:۴۶)۔

"اپنے بھائی کی مدد کرو جو ظلم کرتا ہے یا اس پر ظلم ہوتا ہے"۔ اس پر صحابہ کرامؓ نے عرض کی "یارسول اللہ! ہم ایک ایسے شخص کی

مدد کر سکتے ہیں جس پر ظلم ہوتا ہے مگر ہم ایک ایسے شخص کی مدد کیسے کریں جو خود ظلم کرتا ہے؟" تو آنحضرتؐ نے فرمایا: "تم اس کے ہاتھ ظلم کرنے سے روک دو" (بخاری ۴:۴۶)۔

"اہل ایمان کا آپس میں تعلق ایک جسم کے حصوں کی مانند ہوتا ہے۔ جس کا ایک حصہ دوسروں کو مضبوط کرتا ہے" اور آپؐ نے (دونوں ہاتھوں کو ملاتے ہوئے) ان کی انگلیاں ایک دوسرے میں جوڑ دیں" (بخاری ۸:۸۸)۔

"ایک دوسرے سے نفرت مت کرو اور آپس میں حسد نہ کرو اور دوسروں سے قطع تعلق مت کرو اور بھائیوں کی طرح اللہ کے خادم بن جاؤ اور یہ کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے (مسلمان) بھائی سے تین روز سے زیادہ قطع تعلق کرے" (بخاری ۵۷:۷۸)۔

آخرکار منیٰ کے مقام پر اپنے خطبۃ الوداع کے موقع پر آنحضرتؐ نے فرمایا "یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے معزز بنایا ہے تمہارے خون کو اور تمہارے مال کو اور تمہاری عزت کو جیسے تمہارا یہ دن مقدس ہے تمہارا یہ مہینہ اور یہ شہر" (بخاری ۱۳۲:۲۵)۔

ہمسایوں سے حسن سلوک اور خوشگوار تعلقات استوار کرنے کے بارے میں کئی احادیث مبارکہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا "جو بھی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اسے ہمسائے کو کوئی گزند نہیں پہنچانا چاہئے اور جو بھی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اسے مہمانوں کی عزت اور احترام کرنا چاہئے (بخاری ۳۱:۷۸)۔ ایک اور حدیث مبارکہ کے مطابق آپؐ نے فرمایا: "جبرائیلؑ نے مجھے ہمسائے سے حسن سلوک کے بارے میں اس قدر ہدایات دیں کہ میں نے خیال کیا کہ شاید ہمسائے کو (متوفی) ہمسائے کی جائداد میں بھی حصہ دار بنا دیا جائے گا" (بخاری ۲۸:۷۸)۔ خادموں اور ملازمین سے حسن سلوک کے بارے میں بہت سی احادیث مبارکہ میں الگ سے ذکر آیا ہے۔ (مثال کے طور پر بخاری ۲۱:۲، ۳۹:۷۸) جن میں ہمسائے سے مساوی سلوک کے بارے میں ہدایات دی گئی ہیں لیکن سب سے زیادہ زور یتیموں اور بیواؤں سے حسن سلوک اور فیاضانہ رویہ اختیار کرنے کے بارے میں دیا گیا ہے۔

گھریلو زندگی

گھر، انسانی معاشرے کی بنیادی اکائی ہے۔ انسانی خوشحالی اور معاشرے کی پائیداری کا زیادہ تر انحصار گھر کی مضبوطی اور اس میں پائی جانے والی خوشی پر ہوتا ہے۔ چونکہ مرد اور عورت مل کر گھر تشکیل دیتے ہیں اس لحاظ سے یہ ضروری تھا کہ ان کی حیثیت اور تعلقات کے بارے میں صحیح طور پر جان لیا جائے۔ آنحضرتؐ کے دور سے قبل، خواتین کو ان کے خاوندوں کی جائداد تصور کیا جاتا تھا۔ وہ بذات خود جائداد رکھ سکتی تھیں اور نہ ہی اپنے نام سے کاروباری معاملات طے کر سکتی تھیں۔ یہ کامل انقلاب تھا جو اسلام نے اس وقت رائج معاشرتی طور طریقوں میں برپا کیا۔ حتیٰ کہ آنحضرتؐ پر نازل کردہ ابتدائی الہامات میں مردوں اور عورتوں کو اللہ کی نظر میں برابر قرار دیا گیا تھا (۹۲:۱-۳، ۵۳:۴۴-۴۶)۔ اور یہ بھی بتایا گیا تھا کہ دونوں مرد اور عورت کامل طور پر بنائے گئے تھے (۷۵:۳۷-۳۹)۔ ابتدائی الہامات میں اس امر کو بھی واضح کر دیا گیا تھا کہ روحانی لحاظ سے عورت، مرد کے ساتھ برابر حیثیت رکھتی ہے (۴۰:۴۰، ۱۶:۹۷)۔ خواتین پر خدائی الہامات نازل ہونے کا بھی ذکر کیا گیا ہے (۲۸:۷) جو کہ ایک عظیم روحانی تحفہ ہے۔ اللہ نے انہیں منتخب کیا اور پاک کیا جیسا مردوں کو منتخب اور پاک کیا گیا تھا (۳:۴۱، ۳۳:۳۳)۔ اور عام طور پر عورتوں کو روحانی لحاظ سے مردوں کے برابر قرار دیا گیا ہے (۳۳:۳۵)۔

البتہ آنحضرتؐ نے اس سلسلے میں چند قدم اور آگے بڑھاتے ہوئے ایسی اصلاحات متعارف کروائیں جن سے عورتیں معنوی لحاظ سے خود مختار فرد کی حیثیت اختیار کر گئیں۔ اب وہ کما سکتی تھیں، جائداد و مال اگلی نسلوں کو منتقل کر سکتی تھی اور جائداد رکھ سکتی تھی۔ "مردوں کا حصہ ہے جو وہ کمائیں اور عورتوں کا حصہ ہے جو وہ کمائیں"

(۴:۳۲)۔ اس حکم نے اس کے لئے تمام پیشوں کے دروازے کھول دیئے اور اگرچہ اس میں عورت کی دیکھ بھال شادی کے بعد مرد کی ذمہ داری ہے لیکن پھر بھی وہ اپنے آپ کا سہارا بن سکتی تھی' اور ضرورت پڑنے پر گھر چلانے کے لئے کام بھی کر سکتی تھی۔ اس کے علاوہ عربوں میں عورتوں کی وراثت کے خلاف سخت رسم موجود تھی۔ اس ضمن میں اسلام ایک نیا پیغام لایا: "..... عورتوں کے لئے اس سے ایک حصہ ہے جو (ان کے) ماں باپ اور قریبی چھوڑیں' ایک مقرر حصہ" (۴:۷)۔ درحقیقت ہر عورت کو نکاح کے موقع پر کچھ جائداد کا مالک بنا دیا جاتا تھا اور جہیز کی مقدار کے سلسلے میں کوئی پابندی نہیں لگائی گئی تھی (۵:۵' ۴:۲۰)۔ حتیٰ کہ عورت کے مقام کو نکاح سے قبل ہی اس معنے میں اہمیت دی گئی کہ کسی عورت کا نکاح اس کی اجازت اور رضامندی کے بغیر نہیں کیا جا سکتا (۴:۱۹' بخاری ۲۷:۴۲-۴۳)۔ دراصل قرآن مجید میں نکاح کو ایک مقدس معاہدے کا درجہ دیا گیا ہے (۴:۲۱) کیونکہ دونوں فریقین کی رضامندی کے بغیر کوئی معاہدہ طے نہیں پا سکتا۔

معاشرے کے استحکام کے لئے ہر ایک فرد پر لازم تھا کہ وہ شادی کر کے خانگی زندگی گذارے۔ اس سلسلے میں واضح طور پر ہدایت ہوئی "اور تم میں سے جو مجرد ہیں ان کے نکاح کر دو" (۲۴:۳۲)۔

آنحضرتؐ کے ارشاد کے مطابق "وہ شخص جو نکاح کرتا ہے' نصف ایمان کی تکمیل کرتا ہے"۔ نکاح کو انسان کی اخلاقی ترقی کے لئے ایک ذریعہ کے طور پر پیش کیا گیا جو کہ بالکل درست ہے۔ خاوند اور بیوی کے مابین اور ان کی اولاد سے محبت' انسانوں کی باہمی محبت کے جذبہ کو ازحد فروغ دیتی ہے جو کہ غیر محسوس طریق پر انسانیت کی خدمت کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ نکاح کے نتیجہ میں گھر' محبت اور خدمت کے جذبات کے فروغ کے لئے ایک تجربہ گاہ کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ اس سطح پر ایک مرد دوسروں کی خاطر مشکلات اٹھاتے ہوئے خوشی محسوس کرتا ہے جس کے نتیجہ میں احساس خدمت بتدریج وسیع ہوتا چلا جاتا ہے۔

اسلام نے خاوند اور بیوی کے باہمی حقوق و فرائض پر خصوصی طور پر زور دیا ہے۔ ایک گھرانے میں بیوی کی حیثیت' آنحضرتؐ کے مطابق' حکمران کی سی ہے (بخاری ۶۷:۹۱) اور اس سلسلہ میں کئی احادیث مبارکہ میں آنحضرتؐ نے خواتین کے حقوق پر زور دیا ہے اور خاوند پر لازم ہے کہ وہ بیوی کے نان نفقہ کا اپنے حالات کے مطابق انتظام کرے (۴:۳۴' ۶۵:۷' ۴:۱۹)۔ جبکہ دوسری جانب بیوی پر لازم ہے کہ وہ اپنے خاوند کا ساتھ دے' اس کے مال کو نقصان اور ضیاع سے محفوظ رکھے اور ہر اس بات سے پرہیز کرے جو کہ گھریلو سکون برباد کرنے کا سبب بن سکتی ہے (بخاری ۶۷:۸۷)۔ بیوی کے ساتھ نرمی اور حسن سلوک پر بہت زور دیا گیا ہے۔ "انہیں پسندیدہ طور پر رکھو" (۲:۲۲۹)۔ "ان کے ساتھ پسندیدہ طور پر میل جول رکھو" (۴:۱۹)۔ ان باتوں پر بہت زور دیا گیا یہاں تک کہ خاوند کو اپنی بیوی سے اس صورت میں بھی حسن سلوک کا حکم دیا گیا جب وہ اسے ناپسند کرتا ہو (۴:۱۹)۔ بیوی سے حسن سلوک' عمدہ اخلاق کا معیار ہے۔ "تم میں بہترین وہ ہے جو اپنی بیوی سے سلوک میں بہترین ہے" (مشکوٰۃ ۱۳-۱۱:۲)۔ آنحضرتؐ نے اپنے آخری حج کے موقع پر اپنے پیروکاروں کو نصیحت کی "اے میرے لوگو! تم اپنی بیویوں پر مخصوص حقوق رکھتے ہو اور تمہاری بیویاں بھی تم پر حقوق رکھتی ہیں ..... وہ تمہارے ہاتھ میں اللہ کی امانت ہیں۔ لہٰذا تمہیں ان کے ساتھ بہترین حسن سلوک روا رکھنا چاہئے" (مشکوٰۃ ۱۵:۱۹)۔

کام اور محنت

اسلام نے سخت کام اور محنت کی عظمت پر بہت زور دیا ہے۔ یہ اصول ان ابتدائی الہامات میں نہایت واضح الفاظ میں قائم کر دیا گیا تھا کہ وہ شخص جو کہ محنت نہیں کرتا' اسے کسی صلے کی توقع نہیں رکھنی چاہئے اور یہ کہ مزدور کو اس کا مکمل معاوضہ ملنا چاہئے: "اور کہ انسان کے لئے کچھ نہیں مگر وہی جو وہ کوشش کرتا ہے اور کہ اس کی کوشش

دیکھی جائے گی۔ پھر اسے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا" (۵۳:۳۹-۴۱)۔ "تو جو کوئی کچھ اچھے کام کرے اور وہ مومن ہو' تو اس کی کوشش کی ناقدری نہ ہو گی اور ہم اس کے لئے لکھ لیتے ہیں" (۲۱:۹۴)۔ قرآن مجید میں ایمان اور کام پر برابر زور دیا ہے۔ ایمان دار شخص کی وضاحت ہمیشہ "وہ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے" کی صورت میں کی گئی ہے۔

آنحضرتؐ بذات خود انتھک کام کرنے والے انسان تھے۔ آپؐ رات کے نصف یا تیسرے پہر تک عبادت میں مصروف رہتے اور دن کو ہر قسم کا کام سرانجام دیتے تھے۔ کوئی بھی کام آپؐ کے لئے پست نہیں تھا۔ آپؐ بکریوں کا دودھ خود دھو لیتے تھے' اپنے کپڑوں پر خود پیوندکاری کر لیتے تھے اور جوتے کو خود ہی سی لیتے تھے۔ آپؐ اپنے گھر کی صفائی بھی خود کرتے تھے اور گھریلو کاموں میں اپنی ازواج کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ آپؐ نے مدینہ میں مسجد کی تعمیر میں ایک عام مزدور کی طرح کام کیا۔ دوسرے موقع پر' جب مدینہ کے گرد دشمن کے حملے سے بچنے کے لئے خندق کھودی جا رہی تھی' تو آپؐ دیگر مسلمانوں کے ساتھ کام کرتے دکھائی دیتے تھے۔ آپؐ نے کبھی کسی کام کو' چاہے وہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو' اس خیال سے ترک نہیں کیا کہ آپؐ نبی ہیں اور بادشاہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپؐ نے اپنی ذاتی مثال سے واضح کیا کہ ہر کام انسان کو عظمت دیتا ہے اور انسان کا مرتبہ' چاہے وہ بلند ہو یا پست' اس کے حقیقی مقام کو تشکیل نہیں دیتا۔ آپؐ نے فرمایا کوئی بھی اس شخص سے بہتر خوراک نہیں کھا سکتا جو کہ وہ اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتا ہے" (بخاری ۳۴:۱۵)۔ ایک اور مقام پر آپؐ نے ارشاد فرمایا "ہر کام دوسروں سے خیرات مانگنے کی نسبت قابل عزت ہے"۔ آپؐ کے صحابہ کرامؓ نے آپؐ کے نمونہ کی پیروی کی اور ان میں سے زیادہ معتبر حضرات نے بوجھ اٹھانے والے کے کام کو بھی حقیر تصور نہیں کیا۔

مزدور اور اس کے آجر کے مابین تعلق' دو برابر افراد کے مابین معاہدے کی طرح ہے۔ آپؐ نے معاہدات کے ضمن میں ایک عام قانون قائم کیا: "مسلمان ان شرائط کے پابند ہوں گے جن کا وہ عہد کریں گے" (بخاری ۳۷:۱۴)۔ آجر اور ملازم معاہدے کے لحاظ سے دو فریقین ہے جن میں آجر معاہدے کی شرائط کا اسی قدر پابند ہے جس قدر کہ اس کا ملازم۔ اس بارے میں آنحضرتؐ نے ان الفاظ میں وضاحت کی: "اللہ فرماتے ہیں کہ روز حساب تین افراد ایسے ہوں گے جن کے معاملے میں اختلاف ہو گا۔ اس شخص کے بارے میں جو میرے نام پر وعدہ کرتا ہے' پھر اس پر پورا نہیں اترتا' وہ شخص جو ایک آزاد شخص کو فروخت کرتا ہے اور پھر اس سے حاصل کردہ رقم کو جلد ہی ختم کر ڈالتا ہے اور وہ شخص جو ایک ملازم رکھتا ہے اور اس سے درکار تمام محنت کا کام لینے کے بعد اسے معاوضہ نہیں دیتا" (بخاری ۳۴:۱۰۶)۔

حکومت کے ملازمین' اس کے محصول افسر' اور انتظامی اہلکاران اور منصفین' ملازمین کے درجہ میں شمار ہوتے تھے۔ ان کی خدمات کا معاوضہ دیا جاتا تھا مگر عوام سے کوئی تحفہ قبول کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ حتیٰ کہ ان لوگوں کو بھی معاوضہ دیا جاتا تھا جو کہ قرآن مجید سکھاتے تھے۔ "ان تمام چیزوں سے جن میں تم معاوضہ حاصل کرتے ہو' سب سے اچھی چیز قرآن مجید ہے" (بخاری ۳۷:۱۶)۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کو آنحضرتؐ کی جانب سے محصول افسر مقرر کیا گیا۔ معاوضہ پیش کئے جانے پر انہوں نے کہا کہ انہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ آپؐ نے انہیں وہ معاوضہ قبول کر لینے کو کہا۔ بے شک بعد میں خیرات کر دیں (بخاری ۹۴:۱۷)۔ اس طرح یہ اصول قائم ہو گیا کہ ہر ملازم' ہر نوکر اور ہر مزدور معاوضے کا حقدار ہے۔

اس وقت تجارت قابل عزت ترین پیشوں میں سے ایک تھا اور آپؐ نے سچے اور ایماندار تاجر کے لئے خصوصی تعریف کے الفاظ فرمائے ہیں (ترمذی ۱۲:۴)۔ لوگوں کو سکھایا گیا کہ وہ آپس میں معاملات کرتے' چیزیں خریدتے اور فروخت کرتے اور اپنے قرض طلب کرتے

ہوئے کھلے دل سے کام لیں (بخاری ۳۴:۱۶)۔ تمام معاملات کی بنیاد ایمانداری کو قرار دیا گیا۔ "اگر وہ دونوں سچ بولتے ہیں اور سودے (میں اگر کوئی خامی ہو) ظاہر کرتے ہیں تو ان کے سودے میں برکت ہو گی' اور اگر وہ اس (خامی) کو چھپاتے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں تو ان کے سودے میں سے برکت کا نام و نشان ختم ہو جائے گا (بخاری ۳۴:۱۹)۔ غلے پر سٹے بازی کو خصوصی طور پر منع فرمایا گیا ہے۔ "جو بھی غلہ خریدتا ہے' اسے وہ غلہ اس وقت تک نہیں فروخت کرنا چاہئے جب تک وہ اس کے قبضے میں نہ آ جائے" (بخاری ۳۴:۵۴)۔ زمینوں کو آباد کرنے اور درخت اگانے کے سلسلے میں حوصلہ افزائی کی گئی (بخاری ۴۱:۱)۔ آپؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ وہ شخص اس زمین کا بہتر حقدار ہے جو اس نے اس وقت آباد کی جبکہ وہ غیر آباد تھی (بخاری ۴۱:۱۵)۔ ان افراد کو جن کے قبضے میں اس قدر زیادہ زمین تھی کہ وہ خود اسے کاشت نہیں کر سکتے تھے' نصیحت کی گئی کہ دوسروں کو بلامعاوضہ انہیں آباد کرنے کی اجازت دے دی جائے۔ "تم میں سے اگر کوئی یہ (قابل کاشت زمین) اپنے بھائی کو تحفہ میں دیتا ہے تو یہ اس کے لئے بہتر ہے چہ جائیکہ وہ ایک مقررہ معاوضہ پر اس پر کام کرتا ہے (مشکوۃ ۱۲:۱۳)۔ لیکن اس بات کی اجازت دی گئی تھی کہ زمین پر مالک کی ملکیت کو تسلیم کیا جائے۔ اس کے علاوہ اس کے زمین کو خریدنے اور بیچنے یا دوسروں کو کاشت پر دینے کے حق کو تسلیم کیا گیا (بخاری ۴۱:۸' ۱۱' ۱۹)۔ البتہ اس ضمن میں ایک تنبیہہ بھی کر دی گئی کہ وہ قوم جو ترقی کے دیگر شعبوں کو چھوڑتے ہوئے اپنے آپ کو مکمل زراعت کے لئے وقف کر دیتی ہے' ترقی کے عظیم الشان مقام تک نہیں پہنچ سکتی (بخاری ۴۱:۲)۔

آنحضرتؐ کی جانب سے انقلابی تبدیلی کی عظیم کوشش

آنحضرتؐ کی حیات طیبہ کا سب سے نمایاں وصف وہ حیران کن کامیابی تھی جو آپؐ نے اپنے ساتھیوں کی زندگی کے ہر پہلو میں انقلابی صورت میں حاصل کی تھی اور یہ سب ۲۰ برس سے کچھ زیادہ کے مختصر عرصہ میں واقع ہوا۔ کسی بھی دوسرے مصلح نے اپنے لوگوں کو ذلالت کی ان پستیوں میں نہیں پایا تھا جن میں آپؐ نے عرب لوگوں کو پایا تھا اور کسی اور مصلح نے انہیں مادی' اخلاقی اور روحانی طور پر ان بلندیوں تک نہیں پہنچایا تھا جن پر آپؐ نے اپنے لوگوں کو پہنچا دیا۔ نہ صرف یہ کہ ان کے دلوں میں بتوں کے لئے پائی جانے والی محبت اور توہمات مٹ گئے اور اس قوم میں نظریاتی مذہب کی بنیاد پر انسانیت کی عظمت کا احساس بیدار ہوا بلکہ ان کے کردار میں مکمل تغیر رونما ہوا۔

عرب لوگوں میں بہت مضبوط بنیادوں پر قائم گناہ اور برہنہ اخلاقیات کا خاتمہ ہوا۔ آپؐ کی خواہش تھی کہ بہترین اور پسندیدہ اعمال نہ صرف ایک ملک اور قوم تک محدود رہیں بلکہ پوری انسانیت کے لئے استعمال ہو سکیں۔ وہ تمام رواج ختم کرنے کے لئے جن کی وجہ سے غریب ناانصافی کا شکار تھے' ان کی بجائے منصفانہ اور معقول قوانین نافذ کر دیئے گئے۔ شراب نوشی مکمل طور پر غائب ہو گئی جس کے نامعلوم عرصے سے عرب اس کے عادی تھے۔ جوا ممنوع قرار دے دیا گیا۔ مختلف جنسوں کے مابین ناجائز تعلقات پر فخر کی بجائے پرہیزگاری کو سب سے بلند مقام حاصل ہو گیا۔ عرب لوگ جو کہ اپنی جہالت پر فخر کیا کرتے تھے' علم سے اس طرح محبت کرنے والے بن گئے کہ علم کے سرچشمے میں جس قدر گہرائی میں جا سکتے تھے' گئے۔ اس طرح تمام قوم کا مجموعی کردار تبدیل ہو گیا۔ پس مذہب اور بانی اسلامؐ نے ایک بے آہنگ اور بکھرے ہوئے لوگوں کو گناہوں اور توہمات سے نکال کر اس طرح زندگی' توانائی اور قوت سے بھرپور قوم میں تبدیل کر دیا کہ جس کی پیش قدمی کے سامنے دنیا کی عظیم ترین سلطنتوں کے قدم بھی لڑکھڑا گئے۔ کسی بھی تنہا شخص نے کبھی اس قدر وسیع پیمانے پر لوگوں میں نئی زندگی کی روح نہیں پھونکی اور نہ ہی اسلام کے علاوہ کسی مذہب نے کبھی لوگوں کی زندگی کے ہر شعبہ کو متاثر کرنے والی ایسی عظیم تبدیلی پیدا کی ہے۔ انفرادی' گھریلو' معاشرتی' قومی اور ملکی سطح پر ایسی بیدار کن تبدیلی جو کہ اخلاقی' علمی اور روحانی بھی تھی۔

انگریزی سے ترجمہ

بے نظیر روحانی انوار کا الٰہی سرچشمہ ۔ ۷

آنحضرت صلعم کی نبوت کی تاریخی اہمیت

شیخ غلام ربانی، بی اے، ایل ایل بی

گذشتہ نبوتوں کی تاریخی حیثیت کی تصدیق

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے گزرے ہوئے نبیوں کی زندگی کا کوئی تاریخی ثبوت اس شکل میں ہمارے پاس موجود نہیں کہ وہ کیسی زندگی جیے اور اس لئے تاریخی اور علمی نکتہ نظر سے ان کی نبوت بھی ثابت نہیں ہو سکتی۔ یہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ہی تھی جس نے یہ روایت قائم کی کہ ان سے پہلے بھی نبی آتے رہے ہیں اور یوں ان کو تاریخی طور پر ایک حقیقت بنا دیا: ”محمد رسول اللہؐ کے ظہور کے ساتھ ہی ایک مضبوط پردہ اچانک اٹھتا ہے جو ان سے پہلے آنے والے نبیوں کی زندگی پر پڑا ہوا تھا اور ہم نبوت کی تاریخی روایت کو ایک پختہ زمین پر محسوس کرتے ہیں“۔

(R.A. Nicholson, A Literary History of Arabs, Cambridge, 1930)

اس طرح مذہب کا کوئی اور پرچاک یا بانی تاریخ کے اس امتحان سوائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پورا نہیں اتر سکا۔ دنیا کے مذاہب کی تاریخ کا مطالعہ اس ناقابل تردید حقیقت کو اور بھی زیادہ درخشاں طور پر ظاہر کرتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معزز استثناء کے علاوہ کوئی ایک پیغمبر بھی ایسا نہیں جس کی زندگی کا ایسا دستاویزی ثبوت اس قدر تفصیل اور ترتیب سے اور ایسا جامع طور پر دنیا کے لئے محفوظ رہا ہو۔

عربی کے مشہور سکالر ریورنڈ باسورتھ سمتھ اس حقیقت کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”ہمیں زرتشت اور کنفیوشس کے متعلق اتنا کم علم ہے جتنا سولن اور سقراط کے بارے میں۔ اور اسی طرح موسیٰؑ اور بدھؑ کے بارے میں اتنا ہی جتنا امبروز اور آگسٹائین کے متعلق۔ ہاں البتہ مسیحؑ کی مختصر زندگی کے چند ایک ٹکڑوں کے بارے میں ہی پتہ ہے۔ لیکن کون ہے جو ان کی تیس سالہ زندگی پر پڑے ہوئے پردے اٹھا سکتا ہے جنہوں نے آنے والے تین سالوں کا راستہ تیار کیا تھا؟ ہمیں اس کی والدہ کے بارے میں کیا پتہ ہے؟ اس کی گھریلو زندگی کے بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے۔ اس کے ابتدائی دوستوں کا بھی ہمیں کوئی علم نہیں۔ کیا اس کو اپنے الہیاتی مشن کا یکبار پتہ چلا تھا یا تدریجاً“ اس پر یہ واشگاف ہوا تھا۔ کتنے ہی سوال اس کے بارے میں ہم میں سے ہر ایک کے ذہن میں آتے ہیں جو سوال ہی رہ جاتے ہیں۔

لیکن اسلام میں ہر چیز مختلف ہے۔ یہاں ہم ابہام اور اسراریت کی بجائے تاریخی حقائق سے آشنا ہوتے ہیں۔ ہمیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسی طرح علم ہے جس طرح ملٹن اور لوتھر کے بارے میں جانتے ہیں۔ دیو مالائی، فوق الفطری داستانیں اور باتیں عربی ماخذوں میں نایاب ہیں اور اگر کہیں ہیں بھی تو ان کو تاریخ سے الگ پہچانا جا سکتا ہے۔ یہاں کوئی دوسرے کو دھوکا دینے والا نہیں اور نہ خود اتنا سادہ لوح ہے کہ خود دھوکا کھانے کو تیار ہو۔ یہاں کھلے دن کی روشنی ہے اور وہاں تک لے کر چلتی ہے جہاں تک جانا ممکن ہو سکتا ہو“۔

(Rev. Bosworth Smith: Mohammad and

Mohammadanism London, 1874, pp.16-18.)

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس ابدی پیغام کے کامل ظہور تھے جو نوع انسانی کی ابتدا سے بھیجا جاتا رہا تاکہ نوع انسان کو سیدھی راہ معلوم ہو کہ ایک خدا کی پوجا کی جانی چاہئے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سچائی کو نہایت بلیغ الفاظ میں یوں بیان فرمایا ہے:

"انبیاء علاتی بھائی ہیں جن کی مائیں مختلف ہیں لیکن جن کا دین ایک ہے" (بخاری شریف ۶۰:۴۸)۔

اسلام کے بنیادی عقائد میں یہ بھی شامل ہے کہ تمام نبیوں اور ان کے صحائف پر ایمان لایا جائے۔ اس عقیدہ کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو یہ باور کروایا جائے کہ تمام نوع انسان ایک ہی جماعت ہے کیونکہ تمام وحیوں کا ماخذ بھی ایک ہی ہے اور اس طرح مرجع بھی ایک ہی رہا یعنی خدا تعالیٰ جس نے مختلف قوموں میں تاریخ کے مختلف ادوار میں انبیاء بھیجے جنہیں ایک ہی پیغام دیا گیا تھا جس کی تبلیغ وہ لوگوں کو کرتے رہے۔ اس طرح اسلام ایک آفاقی دین کی بنیاد رکھتا ہے اس اعتقاد کے ساتھ کہ تمام قوموں کے انبیاء کو مانا جائے۔ کیا اس سے بہتر کوئی اور فارمولا عالمی امن اور باہمی مفاہمت کا ہو سکتا ہے؟

"کہہ دیجئے کہ ہم ایک خدا پر ایمان لائے ہیں اور اس پر ایمان لاتے ہیں جو ہم کو دیا گیا اور جو ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ اور ان کے اسباط کو دیا گیا اور موسیٰؑ و عیسیٰؑ کو دیا گیا اور اس پر بھی جو سب انبیاء اور رسولوں پر خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا اور ہم ان میں کوئی فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے احکام کے سامنے جھکتے ہیں" (۲:۱۳۶)۔

یہ ہے اسلامی پیغام کی تاریخی حیثیت جس کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے تصدیق و توثیق، مدون اور کامل کیا گیا گویا محمد رسول اللہؐ کے ذریعے سلسلہ نبوت کی تکمیل ہوئی:

"محمد تم میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کو ختم کرنے والے ہیں اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے" (۳۳:۴۰)۔

حضرت محمد رسول اللہ کا کردار بحیثیت نبی غیر معمولی، منفرد اور ممتاز ہے کیونکہ آپؐ سب سے آخر میں تشریف لائے تھے۔ اور ان سے پیشتر آنے والے تمام انبیاء کی صفات کے جامع۔ حضورؐ ان تمام صفات اور حسانات کا مجموعی طور پر ایک مرقع اور اظہار بھی تھے جو پچھلوں میں فرداً فرداً پائی جاتی تھیں۔ ان میں دل و دماغ کی تمام صلاحیتیں جو ایک سیاستدان، سماجی مصلح، ایک فوجی قائد، ایک پارسا اور راسخ العقیدہ خدا شناس، خدا کا بندہ اور انسانیت کا سچا عاشق، یہ سب صفات ان میں اس خوش اسلوبی سے باہم مربوط ہو گئیں تھیں کہ ان کی شفقت اور رحمت ہر طرح سے انسانوں کے لئے ایک عمدہ نمونہ بنا دیا گیا تھا۔ ان کے مشن کا وقار اور عزت اور ان کی زندگی کی تاریخی حیثیت سب اس کی عظیم گواہی ہیں کہ نبوت انہی پر ختم ہونی چاہئے تھی اور ختم ہوئی۔

اسلامی انقلاب: تاریخ کا درخشندہ سنگ میل

خدا کی طرف سے انسانی ہدایت کے لئے بھیجے جانے والے انبیاء اور پیغمبروں کی قطار میں آخری ہونے کے حوالے سے محمد رسول اللہ صلعم کو خدا تعالیٰ کے آخری پیغام کو لوگوں میں پھیلانا تھا اور جسے انہوں نے محفوظ بھی کیا اور بعد میں ان کے مخلص پیروؤں نے آنے والی نسلوں کے لئے آئندہ صدیوں میں اسے تمام دنیا میں پھیلانا شروع کر دیا یہ اس خدائی حکم کی اطاعت کا نتیجہ تھا جو نبیوں کی مہر کے طور پر ان کو دیا گیا تھا۔ انہوں نے ہمہ جہتی انقلاب برپا کیا جس سے تاریخ انسانی کا رخ ہی بدل گیا۔

حالات اور واقعات جن کی وجہ سے بڑے بڑے انقلاب دنیا میں آئے ثابت کرتے ہیں کہ وہ عظیم راہنما جن کا انقلابات سے گہرا تعلق رہا وہ انقلاب آفریں قوت کو صرف دھکیلنے والے تھے جو ان کے دور میں ایک ناگزیر اتھل پتھل کو برپا کرنے کے لئے متحرک ہو رہی ہوتی

تھیں۔ وہ تاریخ ساز ہونے کی بجائے تاریخ نے ان کو پیدا کیا تھا۔ وہ صرف ایک ڈرامے کے فنکار تھے جن کے لئے سٹیج پہلے سے ہی تیار تھا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تاریخ انسانی میں یکتا مثال ہیں جنہوں نے صحیح معنوں میں تاریخ بنائی جسے انقلاب کے لئے صحیح اور ضروری کوائف اور حالات بنانے پڑے۔ جس نے لوگوں میں انقلابی روح پھونکی کیونکہ وہ لوگ جن میں آپؐ مبعوث ہوئے تھے اس انقلابی روح اور اس کے لازمی متعلقات سے عاری تھے۔ ذرا ان حالات کا تذکرہ پڑھیے جس کا نقشہ ایک دانشور جناب ابوالحسن ندوی نے کیا خوب چابکدستی سے کھینچا ہے:

"اس خوفناک حالت کی ایک مورخ کس طرح تصویر کھینچ سکتا ہے۔ کیا جاہلیت کا مطلب صرف اخلاقی کرپشن تھا جو عربوں اور اس دور کی باقی قوموں میں پائی جاتی تھی؟ کیا یہ صرف بت پرستی کے مسئلہ تک محدود تھی یا زوال اور انحطاط خود غرضی، ظلم اور بے انصافی یا امیروں کے ذریعے غریبوں کا استحصال اس کا مطلب تھا؟ یا مجرمانہ سلوک جو طاقتور اقوام کمزور افراد اور قوموں سے روا رکھتے تھے۔ یا صرف نومولود لڑکی کو زندہ دفن کرنے والی رسم تک محدود تھی جو ان لڑکیوں کے سنگ دل والدین میں رائج تھی۔ نہیں! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مادر گیتی اپنی پوری اولاد کو نگل جانا چاہتی تھی" ("لائف آف پرافٹ محمد" لکھنؤ، انڈیا ۱۹۷۹ء، ص ۴۴۴)۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی دلفریب شخصیت سے ہزاروں متبعین پر ایک ایسا انمٹ اثر پیدا ہوا جس سے ان کے اندر ایک نور افشاں قوت پیدا ہو گئی جس سے اس دور کی تاریک دنیا روشن ہو گئی جو جہالت، توہمات اور اخلاقی انارکیت کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ انہوں نے ہزاروں انسانوں کی شخصیت کو اپنی پسند کے سانچے میں ڈھال دیا۔ پہلے آہنی ارادے سے انہوں نے انقلاب کے لئے زمین تیار کی، اس کے خدوخال کی تصویر کشی کی اور انقلاب آفریں قوتوں کو اس جہت میں رخ پھیرا جو وہ خود چاہتے تھے۔ کیا کوئی اور ایک ایسی ہی نوعیت کی مثال تاریخ پیش کر سکتا ہے جس کو ایسی ہی بے نظیر شان و شوکت، جلال و جمال و یکتائیت میسر آئی ہو۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے انقلاب سے تمام جزیرہ نمائے عرب کلیتہ بدل گیا۔ اس کی بت پرستی توحید سے، قبائلی حسد اور مسابقت اتحاد اور قومی ہم آہنگی سے، ظلمت کی تاریکی علم کی روشنی سے، شراب خوری اور بدکاری، اخلاق، نیکی اور پارسائی کے اقدار سے، لاقانونیت اور باہمی عدم اعتمادی، قانون پسندی اور تنظیم کی عادات سے بدل گئیں۔ انسانی تاریخ میں اس قسم کی انسانوں کی تبدیلی ہیئت نہ کبھی اس سے پہلے اور نہ پھر کبھی بعد میں دیکھنے میں آئی کہ انسان بالکل ہی بدل گئے۔ ایسا ناقابل یقین، مربوط اور باہم پیوست انقلاب جس نے انسان کو ہی بدل کر رکھ دیا ہو۔ اور یہ سب صرف ۲۳ سال کی محدود مدت میں ہو گیا۔ ایسا ہونا تو انسان کے بس کی بات نہیں تھی یقیناً خدا کی مدد اور توفیق کی یہ کار فرمائی تھی جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا عظیم معجزہ کر دکھایا۔ اسلامی انقلاب جو کہ روحانیت کے انکشاف کی ایک انتھک طلب سے ہوا تھا اس کا بھی مظاہرہ ہوا جو ایک یکتا اچھائی کی نمائندگی تھی "خود تاریخ پر جس زاویہ سے بھی نظر ڈالیں اس انقلاب کی لہریں ہر جہت سے آگے پھیلتی ہی نظر آئیں گی۔ انسانی تہذیب کی تمام پیش رفتیں چاہے بالواسطہ ہوں یا بلاواسطہ ان پر اس انقلاب کا اثر دکھائی دے گا۔" (محمد دی پرافٹ آف ریولیوشن، نئی دہلی، ۱۹۸۶ ص ۹)

ان واقعات کی سیاسی اور سماجی اہمیت اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ اس انقلاب نے خدا تعالیٰ کے نازل کردہ مذاہب کو ایک تاریخی حقیقت بنا دیا اور اس کی ضمانت کر دی گئی کہ آخری وحی کو آئندہ وقتوں کے لئے خاص طور پر مخصوص و محفوظ کر دیا گیا ہے۔ یہ پیغام ہمارے پاس بغیر کسی نقصان یا تحریف کے اسی طرح موجود ہے جیسا کہ آج سے چودہ سو سال پہلے تھا اور کروڑوں انسانوں کی زندگیوں کو نہ

صرف متاثر کرتا ہے بلکہ ان کی راہنمائی بھی کرتا ہے۔ یہی گہرا اثر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا انسانی تاریخ پر بھی ہوا ہے جس کی وجہ سے امریکی دانشور ڈاکٹر مائیکل ہارٹ نے اپنی کتاب میں "سو انسان جن کا انسانی تاریخ پر گہرا اثر ہے" کی فہرست میں حضورؐ کو سرفہرست رکھا ہے اور لکھا ہے: "میرا محمدؐ کو انتخاب کر کے اسے سرفہرست رکھنا ان لوگوں میں سے جنھوں نے انسانی تاریخ پر بہت گہرے اثر ڈالے ہیں بعض لوگوں کو حیران کر دے گا اور شاید بعض دوسرے اس پر اعتراض بھی کریں گے لیکن صحیح بات یہی ہے کہ وہی صرف ایک شخص ہے جو نہایت درجہ تک مذہبی اور سیکولر سطح پر یکساں کامیاب ہوا ہے۔"

(Michael Hart: 100: A Ranking of the most Influential Persons in History, Hart Publishing Company Inc. New York, 1978, p.33.)

تاہم ایسے مثبت تاثر اور خاکے میں محمد رسول اللہؐ کی زندگی کو بیان کرنا مغربی دنیا میں کوئی عام بات نہیں۔ چند ایک معروضی آزاد خیال نقاد کو چھوڑ کر رسول اللہؐ کی زندگی' مشن اور کردار کے بارے میں مغربیوں کا عمومی رد عمل معاندانہ ہی رہا ہے جو ان کے پہلے سے بنائے ہوئے خیالات اور تعصبات پر مبنی رہا ہے۔ باوجود اس کے کہ اب تاریخی معلومات کا مستند اور وافر مواد میسر ہے اور شاید ہی کسی اور مذہب یا اس کے پیغمبر کو خوبیوں میں اس طرح غیر ہمدردانہ رویہ سے سابقہ پڑا ہے یا اسے اس قدر غلط سمجھا گیا ہے جیساکہ محمد رسول اللہ صلعم اور اسلام کے بارے میں۔

یہ یقیناً ایک حیران کن بات ہے کہ مغرب جو کئی صدیوں پر محیط آزادی فکر' روشن خیالی اور اعلیٰ درجہ کی تحقیق اور محدود علمی سرمائے پر شیخی بگھارتا رہا ہے۔ محمد رسول اللہ صلعم کے بارے میں تاریخی حقیقتوں اور صداقتوں کو قبول کرنے میں اس قدر الرجک ہے اور متنفر ہو کر اسلام کے خلاف اس قدر کینہ پرور اور حاسدانہ پروپیگنڈہ کرے اور دنیا میں اسلام کی تعلیمات کو ایک (نعوذ باللہ) جھوٹے نبی کی تعلیم گردانے جس نے یہودیوں اور عیسائیوں کے مواد اور کتابوں میں سے سرقہ کیا اور اس طرح اپنا ایک مذہب تدوین کیا۔ اسلام ان کے نزدیک کثرت ازدواج' طلاق کی آزادی' عورتوں کی تذلیل اور اس طرح دنیا کے بے شمار ایسے اداروں کی جو انسانی تہذیب کے امتیازی نشان ہیں ان کی تضحیک اور تحقیر کی علامت ہے جو انسانیت کے خوشنما چہرے پر ایک بدنما داغ ہے اور معاشرہ کے امن اور تہذیب کی بقاء اور تسلسل ارتقاء کے لئے ایک مستقل خطرہ ہے۔ مغرب کے اس انداز مخاصمانہ کو ایڈورڈ سعید اس طرح بیان کرتا ہے:

"دائیں طرز فکر والوں کے نزدیک اسلام بربریت اور بائیں فکر والوں کے نزدیک عہد وسطیٰ کی تھیوکریسی اور مرکز والوں کے نزدیک ایک بدمزہ اور ناگوار اجنبی رسوم کا مجموعہ ہے۔ ان تمام حلقوں میں ہرچند اسلام اور دنیائے اسلام کے بارے میں بہت ہی کم اور مختصر آگاہی ہے لیکن اس پر اتفاق اور اجماع ہے کہ اسلامی دنیا میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جن کو مغرب پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھ سکتا"

(Edward Saeed : Covering Islam, Routelege & Keagan Paul, London, 1981, P.15.)

بی بی سی ٹیلی وژن 'لندن

انگریزی سے ترجمہ: سمیرا اظہرالدین' فائزہ عزیز

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کون تھے؟-۲

پیشکش: پروفیسرڈان کیوپڈ' کیمبرج یونیورسٹی' انگلستان

"میری رائے جس کو آپ کچھ بھی وقعت دیں یہ ہے کہ ان واقعات کی تاریخی حیثیت نہیں۔ یہ حقیقت کہ مرقس کی بتائی ہوئی کہانی صرف اتنا تھوڑا اضافہ کر سکا اس کو مشکوک بنا دیتی ہے کہ اس نے پیدائش کے واقعات کو بھی اس میں شامل کر لیا اور یہ حقیقت کہ جو کچھ اس نے تخلیق کیا وہ بھی انجیل قدیم کا بہت زیادہ مرہون منت ہے۔ دونوں باتیں مجھے سوچنے پر مجبور کرتے ہیں کہ متی اور لوقا کی انجیل میں حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے بارے میں جو تفصیلات درج ہیں ان میں کچھ بھی تاریخی نہیں ہے۔

"کیا میں آپ سے معجزات کی حقیقت کے بارے میں پوچھ سکتا ہوں کہ حضرت عیسیٰؑ نے ۵ ہزار کو کھانا کھلایا' طوفان کو روکا' پانی پر چلے حتیٰ کہ انجیر کے درخت پر لعنت بھیجی۔ اب آپ ان کی تاریخی اہمیت کے بارے میں کیا رائے دیتے ہیں۔ کیا ان معجزات کو تاریخی اعتبار سے جانچا جا سکتا ہے؟"

"میرے خیال میں آپ کو ان معجزات کو دو حصوں میں تقسیم کرنا پڑے گا۔ ایک طرف وہ معجزات ہیں جو بیماروں کو صحت عطا کرنے کے بارے میں ہیں اور باقی دوسری طرف۔ بیماروں کو شفا دینے کے معجزات میرے نزدیک بہت حد تک ممکن ہیں۔ کئی دوسرے یہودی معالجوں کے متعلق بھی ایسی تفصیلات ملتی ہیں اور اسی طرح یہودی جن نکالنے والے وغیرہ جو اسی دور اور اسی جگہ سے متعلق ہیں۔ اور اس امر کی بڑی اچھی گواہی ملتی ہے کہ مخالفین یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ بیر لبلی کے ذریعہ یہ کام سرانجام دیتے تھے۔ میری دانست میں بیماروں کو شفا دینے کے متعلق معجزات کی تاریخی حیثیت کو قبول کیا جا سکتا ہے۔ گو ضمناً" یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاید ان کو خاص طور پر معجزات میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ میرا مطلب ہے ایسا دوبارہ بھی کیا جا سکتا تھا اور ایسا ذہن کو مائل کر کے یا اس پر اثر ڈال کر کیا جا سکتا تھا وغیرہ' کیونکہ مجموعی طور پر اس قسم کی شفا میں ذہن جسم پر اثر انداز ضرور ہوتا ہے۔ لیکن آپ نے تو کھانا کھلانے کے معجزوں کا ذکر کیا ہے اس کی اساس ایلیا کی کہانی پر ہے جس میں وہ ایک ہجوم کو ایک تھوڑی سی روٹی کھلاتا ہے۔ اور آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اسی سے یحیٰی نبی کی بائبل میں کہانی متاثر ہوتی ہے جس میں اسی طرح کی جو کی روٹی ہے۔ نیز بیابان میں محل کی کہانی بھی ہے جس کے تہہ در تہہ اثرات بھی ہیں اور میرے خیال میں عیسائیوں کے عشائے ربانی نے بھی ۵۰۰۰ آدمیوں کو کھلانے کی کہانی کو متاثر کیا ہے۔ سو آپ کے پاس ایک ایسی کہانی ہے جو بار بار عیسائی تاویل نگاروں کے زد میں آئی اور کئی بار کئی طریقوں سے بیان کی گئی۔ اور اس طرح شروع میں کیا ہوا میرے خیال میں آپ کبھی بھی اسے دریافت نہ کر سکیں گے۔

"حضرت عیسیٰؑ کا صلیب کی موت کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کے بارے آپ کا کیا خیال ہے۔ عہد نامہ قدیم میں اس کے متعلق کوئی مضبوط پس منظر نہیں جس سے مدد لی جا سکے۔

"میرے خیال میں میرا عقیدہ یہ ہے کہ پہلے لوگوں نے کہا کہ انہوں نے اسے دیکھا تھا بعد میں لوگوں نے کہا کہ قبر خالی تھی۔ میرے خیال میں قبر خالی ہونے والا خیال کافی بعد میں آیا اور اسے اصل رائے نہیں کہا جا سکتا۔ میرے خیال میں کلیسا نے لوگوں کے عقیدہ سے شروع کیا کہ حضرت عیسیٰ زندہ تھے اور جسم سمیت ان کے جی اٹھنے کے خیال پر زور بہت بعد میں دیا گیا۔ لوقا کی انجیل میں اس کا بہت شدت سے ذکر ہے جو میرے خیال میں ۹۰ عیسوی کے قریب کا زمانہ ہے۔ جب آپ کہتے ہیں کہ کیا حضرت عیسیٰؑ جسم سمیت آسمان پر گئے۔ تو میرے خیال میں اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا مجھے علم نہیں

اور میرے خیال میں اس سے کچھ فرق بھی نہیں پڑتا۔" بہت سے علماء کا خیال ہے کہ اوائل میں عیسائیوں نے حضرت عیسیٰؑ کے یادگار واقعات پر دیومالائی حاشئے چڑھائے۔ جرمن دینیات کے ماہر روڈولف بلٹ مین اس دیومالائی تہہ کو اتار کر انجیل کی بنیاد کو تلاش کرنا چاہتے ہیں۔ جس کو وہ مذہب سے آزاد کرانے کا نام دیتے ہیں۔ ہر دلعزیز دنیاوی ماورائی یقین کہ تمام کائنات کا نجات دہندہ کائنات میں آتا ہے حضرت عیسیٰؑ کے گرد آہستہ آہستہ جمنا شروع ہوا۔ اس کو ایک رنگ میں یوں بیان کیا جاتا ہے:

خدا تعالیٰ بالکل اکیلا نہیں ہے۔ ازل سے اس کا ایک آسمانی ساتھی تھا۔ اس کا ازلی بیٹا یا وارث اس کا کارندہ ہے۔ خدا نے اپنے بیٹے کی وساطت سے مکمل دنیا بنائی۔ لیکن شروع میں کچھ فرشتے زمین پر گرے اور آدم نے نافرمانی کی۔ دنیا میں بگاڑ پیدا ہوا لیکن اللہ تعالیٰ نے انسانی نسل کو ختم نہیں کیا۔ اس نے اسے نجات دلانے کی تدبیر کی۔ اس نے بنی اسرائیل کو اپنی وحی کے لئے چنا اور اس نے نبیوں کا سلسلہ بھیجا لیکن بنی اسرائیل نے اسے پورے دل سے قبول نہ کیا اور آخرکار خدا نے اپنا بیٹا بھیجا جس نے مریم کے بطن میں انسانی شکل اختیار کی اور ناصرہ کے حضرت عیسیٰؑ کا روپ دھار لیا۔

خدا کے بیٹے نے زمین پر خدائی طاقتوں کا مظاہرہ کیا کیونکہ وہ انسانی خیالات کو پڑھ سکتا تھا یا مستقبل کی بات بتا سکتا تھا یا گناہ معاف کر سکتا تھا اور شیطان کو باندھ کر رکھ سکتا تھا۔ وہ قدرت کے قوانین کی خلاف ورزی بھی کر سکتا تھا اور اپنی ہیئت بدل کر آسمانی شان کا مظاہرہ بھی کر سکتا۔

اس کا مشن یہ تھا کہ انسانیت کے تمام گناہوں کا کفارہ اپنے خون سے ادا کرے۔ وگرنہ یہ انسان کو تباہی کی طرف دھکیل دیتا ہے۔ لیکن موت اسے روک نہ سکی۔ وہ قبر سے جسم کے ساتھ زندہ اٹھ کھڑا ہوا اگلے چالیس دنوں کے بعد انہوں نے چرچ کو قائم کیا اور پھر آسمان کی طرف اللہ کے دائیں طرف بیٹھ گیا۔ جلد ہی وہ شان سے اترے گا تاکہ زندہ اور مردہ دونوں کے درمیان فیصلہ کرے اور سنہری ہزار سالہ دور کو واپس لائے۔

کئی لوگوں نے کا یہ خیال ہے کہ انجیل کے اکثر واقعات دیومالائی ہیں۔ ایسا خیال رنج دہ ہے۔ اگر ایسا ان کے خیال کے مطابق ہو تو تمام اناجیل کو رد کر دینا ہو گا کیونکہ یہ بالکل غیر تاریخی ہیں۔ لیکن انجیل میں دیومالایت مذہب کے اظہار کی ایک قدرتی شکل ہے۔ تاریخ اور دیومالائیت کے مابین فرق کا مقصد پہلے تو یہ دریافت کرنا ہو گا کہ حضرت عیسیٰؑ خود کیسے تھے اور پھر یہ کہ اوائل کے عیسائیوں میں ان کی کیا اہمیت تھی۔

جان فیلٹن۔ معجزوں کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟"

"میرے خیال میں بہت سے معجزات ہوئے ہی نہیں کیونکہ میرے نزدیک یہ عجیب دکھائی دیتا ہے کہ اس زمانے میں خدا اب سے مختلف ہو۔ اب میں روزانہ معجزات کے انتظار میں نہیں رہتا یا اس امید میں رہوں کہ یہ ظہور پذیر ہوں گے' نہ ہی میرے خیال میں یہ مناسب ہے کہ ہم معجزات کے ظہور پذیر ہونے کے لئے دعا کریں۔ ہمیں اپنی زندگی کی حدود کے اندر رہنا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی انہیں حدود کی حفاظت کرتا ہے۔ میرے خیال میں اس وقت بھی ایسا ہی ہو گا۔ اس لئے جب میں بائبل پر اس حوالے سے تنقید پاتا ہوں کہ معجزات کو نکال دیا جائے تو یہ بات مجھے اس کو زیادہ قابل یقین بنا دیتی ہے بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ جیسے ستارے' فرشتے' کنواری کوکھ سے جنم اور دوبارہ جی اٹھنا ہیں۔

۱۹۴۶ء کے قریب شمالی مصر میں ناگ حمادی کے مقام پر اچانک دریافت سے حضرت عیسیٰؑ کے متعلق نئی اطلاعات کی امید پیدا ہوئی اس صورت میں یوحنا کی بائبل مایوس کن ثابت ہوئی یہ بعد کے ایک ملحد عیسائی فرقہ نے لکھی تھی جس کا ابھی تک پتہ نہ تھا۔ اس میں حضرت عیسیٰؑ کی کئی پہلی ان کہی اقوال کا ذکر ہو گا ورنہ اس نے حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کے بارے میں ہمارے علم میں کوئی اضافہ نہیں کیا۔ البتہ ایک دو جگہ پر حضرت عیسیٰؑ کی جسمانی تفصیل کے جو خاکے بظاہر جوزفس کی وساطت ملتے ہیں اور پھر آخرکار ہم ان پولیس رپورٹوں تک پہنچتے ہیں جو چوتھی بائبل میں ان کی اسیری کے وقت لکھی گئیں۔ اس کے مطابق وہ تین کیوبٹ یعنی ۵ فٹ سے بھی کم لمبے تھے۔ وہ کچھ منحنی جسم کے تھے۔ وہ لمبوترے منہ والے تھے۔ ان کی بھنویں آپس میں ملتی تھیں اور ناک لمبا تھا۔ اس میں یہ بھی درج ہے کہ وہ تقریباً سانولے رنگ بلکہ بہت سانولے تھے۔ اب بعد کے بیان کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کو چھ فٹا' گلابی گالوں والا اور بھورے گھنگھریالے بالوں والا جوان دکھایا گیا ہے جو یقیناً انہیں آئیڈل بنانے کی کوشش ہے۔ اوپر والی شکل و شباہت انہیں تو کچھ تصوراتی نہیں بناتی اور شاید اس طعن

آمیز آوازے میں اسی بات کی گونج ہو کہ "طبیب اپنا تو علاج کر۔" یہ تو ایک مذہبی تضاد ہو گا اگر شفا دینے والا طبیب خود اپنے علاج کے لئے شفا کا محتاج ہو۔

اب اگر مزید ٹھوس حقائق کو جاننا ہے تو اسرائیل چلیں اور دیکھیں کہ آثار قدیمہ کے ماہرین ہمیں کیا بتاتے ہیں۔

آثار قدیمہ کے ذریعہ حضرت عیسیٰؑ کی براہ راست زندگی کے متعلق شواہد نہیں ملتے اور نہ ہی ایسا ممکن ہے۔ البتہ ان کا زمانہ بہت خوش حالی کا تھا اور یروشلم میں اس وقت بہت عمارتیں بن رہی تھیں۔ حال ہی میں پبلک عمارات بلکہ پرائیویٹ گھروں کی کھدائی بھی ہوئی ہے۔

شہر کی فصیل کی موجودہ دیوار ۱۶ ویں صدی عیسوی میں تعمیر ہوئی تھی جو ترکی طرز پر تعمیر کردہ فصیل شہر کہلاتی ہے۔ اس کا تاریک حصہ دیکھیں یہ فرش کی سطح پر دیوار تھی۔ جہاں سے اس سال کے شروع میں کھدائی شروع ہوئی۔ پھر ہم نیچے کی طرف گئے تو ہمیں اس کے آثار دکھائی دیئے اور پھر ہم تہہ در تہہ نیچے چلتے چلے گئے۔ پروفیسر ابی جہد نے جو تازہ ترین دریافت کی ہے وہ نجی گھر تھے جو "سدوسی" پروہتوں کے تھے۔ اس کے باشندوں کی رسومات کی پاکیزگی کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ پتھر کے برتن استعمال کرتے تھے حالانکہ انہیں بنانا بہت مشکل ہوتا تھا۔ بڑے بڑے مکان رومن بنگلوں کی طرح بنے ہوئے تھے جن میں سنگ مرمر کا اعلیٰ فرنیچر تھا۔ یہ کوئی مضافاتی شہر نہیں تھا بلکہ یونانی رومن طرز کا ایک بڑا شہر۔

ڈایوں ڈائس' جس میں سوراخ کر کے مصلوب کو لے جانے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ اسی قسم کے صلیب کا ذکر حضرت یحییٰؑ کے واقعہ صلیب کی تفصیلات میں ملتا ہے۔ گھریلو استعمال کی ان چیزوں سے حضرت عیسیٰؑ کے زمانے کا جیتا جاگتا تصور آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ اگرچہ یہ مکمل طور پر حلال نہ تھا پھر بھی سدوسی اٹلی سے درآمد شراب کو پسند کرتے تھے۔ اس کی گردن پر لاطینی حروف دکھائی دیتے ہیں۔ یہ دولت کس طرح اکٹھی ہوتی تھی؟ مقامی چھوٹا سکہ گرجا گھر کا ٹیکس ادا کرنے کے لئے کافی نہیں تھا۔ کلیسا صرف Tyrian کی شکل میں رقم وصول کرتا تھا۔ کلیسا کی آمدنی بہت زیادہ تھی اور ٹائرن شکل کرنسی میں تبدیل کرنے والے ۴ فیصد فیس وصول کرتے تھے۔ نہ صرف حضرت عیسیٰؑ بلکہ بہت سے دوسرے لوگ بھی کلیسا کی اس زبردستی وصولی کو ناپسند کرتے تھے۔ لیکن حکومت کے بارے میں یہ صرف علامتی سی ناپسندیدگی کا اظہار تھا اور کرنسی تبدیل کرنے والے اس کے ذریعہ عمدہ طریق پر رہن سہن رکھنے کے قابل بن گئے تھے۔

بہت پہلے زمانے سے عیسائیوں نے ان جگہوں کو تلاش کرنے کی کوشش کی جن کا ذکر انجیل میں ہے۔ ملکہ ہیلن جو کانسٹین ٹائن کی والدہ تھی کے زمانے سے ان فرضی مقدس جگہوں کو چرچ کے لئے مخصوص کر دیئے گئے تھے۔ آج کلیسا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کے پاس حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کی ہر تفصیل محفوظ ہے۔ یعنی اس جگہ ان کو حمل میں لیا گیا تھا۔ اس جگہ وہ پیدا ہوئے تھے۔ اس جگہ انہوں نے پہاڑی وعظ فرمایا تھا۔ اس جگہ وہ متجسم ہوئے تھے۔ اس جگہ دوبارہ زندہ ہونے کے بعد انہوں نے جھیل کے کنارے کھانا پکایا۔ یہ تمام مقدس مقامات جن کی تعداد کئی سو تک پہنچتی ہے ان کی بنیاد محض کافی بعد کی روایات پر ہے۔ لیکن ملکہ ہیلن کی سب سے زیادہ یہ کوشش تھی کہ یہ معلوم ہو جائے کہ کس جگہ صلیب کو گاڑا گیا تھا۔ اس کو کسی طرح یہ یقین ہو گیا تھا کہ وہ جگہ وہ تھی جس پر اب مقدس چرچ بنا ہوا ہے لیکن اس جگہ پر کئی صدیوں سے عبادات سے متعلق مقدس تصاویر بن گئی ہوئی ہیں کہ جن کی وجہ سے کچھ بھی تصور میں نہیں آسکتا۔

جب ۱۸۸۳ء میں جنرل گورڈن یروشلم آیا تو اس کو یقین ہو گیا تھا کہ اس نے گولگھتا میں اصلی کلیوری کو تلاش کر لیا ہے جو ایک بڑا قبرستان تھا۔ لیکن جلد ہی یہ ثابت ہو گیا کہ اس کی آنکھ میں جو ڈرامائی تصویر بنی ہوئی تھی موجودہ زمانے میں وہ پانی کی ٹینکیاں تھیں۔ آج گورڈن کی کلیوری وکٹورین دور کا صرف ایک رومانی افسانہ ہے گورڈن کی کلیوری بس شاپ کے اوپر تن تنہا کھڑا ہے جس کو آثار قدیمہ نے بھی نظرانداز کیا ہوا ہے۔ لیکن اس میں بھی تبدیلی کی گئی۔

۱۹۶۸ء میں گورڈن کی کلیوری کی جگہ سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر ایک شخص کی ہڈیاں ملی ہیں جس کی وفات حضرت مسیحؑ کی وفات کے قریب ہوئی۔ جس کے ٹخنوں کو ملا کر میخیں گاڑی گئی تھیں۔ اب کوئی بھی اس خیال کا اظہار نہیں کر رہا کہ یہ حضرت عیسیٰؑ کی ہڈیاں ہیں۔ لیکن جس کسی نامعلوم مظلوم شخص کی بھی یہ ہڈیاں تھیں اس سے ہمیں صلیب پر موت کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہوتا ہے۔

ڈاکٹر رومانی یروشلم میں راک فیلر عجائب گھر کے مہتمم اعلیٰ ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ایک کیل ایڑی کی ہڈی سے نکل رہی ہے۔ جبکہ دوسری ایڑی کی ہڈی تقریباً دونوں اطراف سے کچلی ہوئی اور دوسری طرف کو مڑی ہوئی ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ ایک قسم کی لکڑی کی زنجیر تیار کی گئی تھی جو دونوں ایڑی کی ہڈیوں کو باندھے ہوئے تھی اور پھر بیڑیوں کو صلیب کے پاؤں کی طرف کیل سے گاڑھ دیا گیا جبکہ کیل نے دونوں ایڑیوں کو چیرا ہوا تھا۔ لیکن اس طریق پر نہیں جیساکہ ہم اب تک سمجھتے تھے کہ ہتھیلی میں کیل گاڑھی جاتی تھی بلکہ کلائی کے شروع میں دونوں ہڈیوں کے درمیان میں کیل گاڑی جاتی تھی صرف اس وجہ سے کہ اگر کسی اور طرح سے کیا جاتا تو کیل ہاتھ کو پھاڑ دیتا۔ حقیقت میں یہ سب باتیں ڈاکٹر بالبے پہلے سے ہی دریافت کر چکے تھے۔ انہوں نے مسیح کی وفات کے متعلق ایک کتاب "کلیوری میں ڈاکٹر" کے نام سے لکھی اور جس میں اس نے پہلے ہی سے ہتھیلی میں کیل گاڑے جانے کو ناممکن ثابت کیا تھا۔ انہوں نے کافی تفصیل سے بتایا کہ وہ شخص کس طرح فوت ہوا۔ درحقیقت وہ دم گھٹنے سے فوت ہوا کیونکہ وہ سانس باہر نکال نہیں سکتا تھا۔ اگر آپ کسی دیوار کے نزدیک اس طرح کھڑے ہوں کہ آپ کے ہاتھ بالکل دیوار سے پیوست ہوں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ جسم کو دیوار سے حرکت دیئے بغیر سانس لینے اور نکالنے میں دشواری ہوتی ہے۔

اس شخص کے معاملے میں پنڈلی کی ہڈیاں ٹوٹی ہوئی دکھائی دے رہی ہیں۔ کیا ایسا اس کی اذیت کو کم کرنے کے لئے کیا گیا تھا؟

بالکل یہی بات ہے۔ اس طرح دکھائی دیتا ہے کہ رحم کے طور پر کم بلکہ اس لئے کہ چونکہ سپاہیوں کو تمام وقت ۲۴ یا ۴۸ گھنٹوں کے لئے دھوپ یا بارش میں صلیب کے قریب کھڑے رہنا پڑتا تھا اور کیونکہ اس درد وہ تکلیف کے ذریعہ موت آنے میں کتنا وقت لگے اس کا علم نہ ہوتا تھا اور ممکن ہے وہ یہ چاہتے بھی نہ ہوں کہ ان کو اتنا لمبا عرصہ وہاں کھڑے رہنا پڑے۔ اس لئے اگر وہ محسوس کرتے کہ اذیت کو ختم کرنے کے لئے پنڈلی کی ہڈیاں توڑ دی جائیں تو وہ پنڈلی کی ہڈی توڑ دیتے۔ اور حقیقت میں ایسا ہی کیا جاتا تھا۔ جیساکہ آپ کو یاد ہے کہ عہدنامہ جدید میں لکھا ہے کہ جب ایک سپاہی پلاطوس کے پاس آیا اور اس نے بتایا کہ حضرت عیسیٰؑ فوت ہو چکے ہیں تو وہ حیران ہوا۔ اس نے کہا کیا وہ فوت ہو گئے؟ اور جب اسے جواب ملا کہ "ہاں"۔ میں نے اس کے پہلو میں نیزہ مارا تھا۔ دوسرے دو فوت ہو چکے تھے کیونکہ ان کی پنڈلی کی ہڈیاں توڑ دی گئیں تھیں۔ جیساکہ ہم یہاں بھی یہی دیکھتے ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ انجیل کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کی صلیب کے ساتھ ایک رقعہ برائے اطلاع لگا ہوا تھا۔ کیا یہ مقرر کردہ طریق تھا کہ مصلوب کے جرم کی تشہیر کی جاتی تھی۔

جی ہاں' یقیناً ایسا تھا۔ درحقیقت ایک وجہ جس کی بنا پر ہم یہ کہتے ہیں کہ صلیب اس طرح کی نہ تھی جیسی ہم آج دیکھتے ہیں کہ اس کے اوپر کا حصہ نہیں ہوتا تھا۔ جو ہمیں اوپر کا حصہ نظر آتا ہے۔ وہ درحقیقت وہ حصہ ہوتا تھا جس پر اشتہار لگا ہوتا تھا۔ جو صلیب دیئے جانے والے شخص کے سر کے اوپر لگا دیا جاتا تھا۔ پھر بعد میں موجودہ صلیب کی صورت وجود میں آئی جیسے آج ہم دیکھتے ہیں۔

کیا کافی زیادہ تعداد میں لوگوں کو صلیب دی جاتی تھی اور کیا یہ ایک عام سزا تھی؟

بدقسمتی سے' ہاں۔ ہم جانتے ہیں کہ ۷۰ ویں عیسوی میں روم اور جودیہ کے درمیان جنگ میں یروشلم کے اردگرد پہاڑیاں صلیبوں سے بھری ہوئی تھیں۔ ان دنوں کوئی یہودی رومی تسلط کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ آزادی کے متوالے بغاوت کے منصوبے بناتے رہتے تھے۔ فریسی' غیر یہودیوں سے نفرت کرتے تھے لیکن سدوسی عبادت گاہوں میں ان سے تعاون کرتے تھے۔

حضرت عیسیٰؑ اس کشیدہ سیاسی صورت حال میں کس طرح شامل ہوئے؟

ڈاکٹر جارج کیرڈ آکسفورڈ یونیورسٹی میں عہدنامہ جدید کے ممتاز پروفیسر ہیں۔

میرا خیال ہے کہ انہیں اس کشیدہ سیاسی صورت حال کا حصہ نہیں گردانا جا سکتا۔ اور ان کو سمجھنے کی کوئی بھی کوشش جس میں ان کو اس صورت حال سے الگ رکھا جائے غلط ہوگی۔ وہ جان بوجھ کر آخر میں یروشلم گئے۔ حلانکہ ان کو ایسا کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

اگر ان کو صرف مذہبی معاملات سے دلچسپی تھی تو وہ مکمل طور پر کسی خفیہ گوشے میں رہ کر اپنے حواریوں کو ایک نئے مذہب کی تعلیمات کے بارے میں تربیت دے سکتے تھے۔ انہوں نے جان بوجھ کر حکام کو چیلنج کیا۔ اگرچہ میرا ذہن اس بارے میں صاف ہے کہ ان کا باغی رہنما بننے کا کوئی ارادہ نہ تھا اور یہ بھی واضح رہے کہ ان کو اس

وقت کے مذہب سے زیادہ اس وقت کی سیاست میں اس کے عمل دخل سے شدید اختلاف تھا۔

یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے دنیا کے خاتمے کی پیشگوئی کی تھی اور یہ کہ اپنی تعلیم کے اس مرکزی حصہ میں وہ غلطی پر تھے۔ آپ کا اس کے متعلق کیا خیال ہے؟

"میں دو باتیں کہنا چاہوں گا۔ پہلی یہ کہ یہ سوال بہت اہمیت کا حامل ہے کیونکہ میرا یہ ایمان ہے کہ اس صدی میں مسیحؑ کی تعلیمات کی تاریخی ثقاہت کے بارے میں شکوک کا بڑا حصہ اس سوال سے ہی پیدا ہوا ہے کہ اس طرح کے اہم نکتہ پر وہ غلطی پر تھے۔ دوسرا میں تسلیم نہیں کرتا کہ درحقیقت انہوں نے دنیا کے خاتمے کی پیش گوئی کی تھی۔ انہوں نے اسرائیل کی دنیا کے خاتمے کی پیش گوئی کی تھی اور وہ اس میں بالکل صحیح تھے کیونکہ ان کی وفات کے ۴۰ سال بعد اسرائیل تباہ ہو گیا تھا۔

لیکن کیا ہم حضرت مسیحؑ کے الفاظ کو دوبارہ ترتیب دے سکتے ہیں۔ ان کے اصلی پیغام کی تلاش نے کچھ سکالرز کو یونانی انجیل سے پہلے آرامی زبان میں انجیل کو تلاش کرنے کی طرف رہنمائی کی ہے۔ سینٹ لوقا کی انجیل میں اس کی مستند مثال موجود ہے:

"خداوند نے اس سے کہا: اے فریسیو! تم پیالے اور رکابی کو اوپر سے تو صاف کرتے ہو لیکن تمہارے اندر لوٹ اور بدی بھری ہے۔ اے نادانو! جس نے باہر کو بنایا کیا اس نے اندر کو نہیں بنایا؟ ہاں اندر کی چیزیں خیرات کر دو تو دیکھو سب کچھ تمہارے لئے پاک ہو گا (لوقا ۱۱:۳۹ تا ۴۱)۔ یہ فقرہ کہ "اندر کی چیزیں خیرات کر دو" بالکل لغو بات ہے۔ اس لئے اس فقرہ کو واپس آرامی میں ترجمہ کرتے ہوئے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس میں "خیرات کر دو" کے لئے لفظ 'زکوٰۃ' آرامی زبان کے ہی ایک اور لفظ "دکوہ" سے بہت ملتا جلتا ہے۔ جس کا مطلب ہے صاف کرنا۔ ہم شاید لوقا کی یونانی انجیل سے پیچھے جا سکتے ہیں اور زیادہ واضح آرامی زبان کی جھلک دیکھ سکتے ہیں اور آزادی سے اس بارے میں چھان بین کر سکتے ہیں۔ متی میں بھی آتا ہے "اے اندھے فریسی! پہلے پیالے اور رکابی کو اندر سے صاف کر تاکہ اوپر سے بھی صاف ہو جائیں .... اسی طرح تم بھی ظاہر میں تو لوگوں کو راستباز دکھائی دیتے ہو مگر باطن میں ریاکاری اور بے دینی سے بھرے ہو" (متی ۲۳:۲۶، ۲۸)۔

یہاں حضرت عیسیٰؑ حسب معمول اندرونے اور نیت کی پاکیزگی کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

کچھ سکالرز نے آرامی انجیل والی دلیل کو ایک شاندار قدم آگے کی طرف گردانا ہے۔ لوقا میں اس مشہور قول کو ملاحظہ کریں:

"اپنے دشمنوں سے محبت رکھو۔ جو تم سے عداوت رکھیں ان کا بھلا کرو۔ جو تم پر لعنت کریں ان کے لئے برکت چاہو۔ جو تمہاری تحقیر کریں ان کے لئے دعا کرو" (لوقا ۶:۲۷، ۲۸)۔

آیئے ایک مرتبہ پھر واپس اس کو آرامی زبان میں ترجمہ کرتے ہیں۔ اس طرح جو صورت ہمارے سامنے آتی ہے یہ ہے کہ یہ قول شعر کی صورت میں ہے۔ یہ انگریزی میں بھی قابل قبول صنف ہے۔ اگر کوئی عبرانی اور آرامی شاعری کے تمام اصناف کو جانتا ہو تو اس شاعری میں تمثیلات استعمال کئے جاتے ہیں جس میں دوسرا مصرع پہلے مصرع کے ہی مفہوم کی گونج ہوتی ہے لیکن اس میں وہ خیال کو اور آگے بڑھاتا ہے۔

"اپنے دشمنوں سے محبت رکھو۔ جو تم سے عداوت رکھیں ان کا بھلا کرو۔ جو تم پر لعنت کریں ان کے لئے برکت چاہو۔ جو تمہاری تحقیر کریں ان کے لئے دعا کرو۔" عبرانی طرز کی یہ شاعری زبور میں بہت زیادہ موجود ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

"خداوند میری روشنی اور میری نجات ہے۔ مجھے کس کی دہشت۔ خداوند میری زندگی کا پشتہ ہے مجھے کس کی ہیبت" (زبور ۲۷:۱، ۲)۔

اب اگر ایک مرتبہ کوئی اس کو ڈھونڈنے کی کوشش کرے تو حضرت عیسیٰؑ کے محفوظ کئے گئے اقوال میں اس کی کئی مثالیں ملیں گی۔ "تنگ دروازے سے داخل ہو۔ کیونکہ وہ دروازہ چوڑا اور کشادہ جو ہلاکت کو پہنچتا ہے اور اس سے داخل ہونے والے بہت ہیں۔ کیونکہ وہ دروازہ تنگ ہے اور وہ راستہ مشکل ہے جو زندگی کو پہنچتا ہے۔ اور اس کے پانے والے تھوڑے ہیں" (متی ۷:۱۳-۱۵) یہ عبرانی یا آرامی شعر کی صورت میں ہے اور یونانی نہیں۔ اب ہم واضح طور پر اس بات کی طرف واپس جا رہے ہیں جو متی اور لوقا کے یونانی انجیل لکھنے سے پہلے موجود تھی۔ کون نامعلوم شاعر اور مذہبی جدت پسند ان اقوال کا ذمہ دار ہے۔ اس کی سادہ وضاحت یہ ہے کہ یہ الفاظ ان کی طرف جاتے ہیں جن کی طرف یہ متفقہ طور پر منسوب کئے جاتے ہیں یعنی

مسیح ناصری۔ خاص طور پر جب آپ جانتے ہیں کہ عہد نامہ قدیم کے زیادہ تر پیغمبر اپنی تعلیمات کو شعری شکل میں ڈھالتے تھے اور مسیحؑ کے دور کے یہودی مربی بھی اپنی تعلیمات کو پر لطف منظوم کلام کی شکل میں پیش کرتے تھے بلکہ یہ توقع کرتے تھے کہ ان کے حواری اس کو اسی طرح یاد کرلیں۔

کیا ڈاکٹر کیرڈ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اس انداز فکر سے ہمیں حضرت عیسیٰؑ کے اصل الفاظ تک کا صحیح راستہ مل جائے گا۔ اس سلسلہ میں وہ اور کون سی مثالوں کا حوالہ دینا چاہیں گے۔

"جب تم کسی کو خیرات دو تو منافقوں کی طرح نہ دو اور جب تم عبادت کرو تو بھی منافقوں کی طرح نہ کرو۔" اب آپ کے سامنے چار شعر بالکل متوازی صورت میں ہیں جن کا آخر ایک جیسا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ بظاہر عادتاً اپنی بات نظم کی صورت میں تمثیل کے رنگ میں دو دو مقفہ مصرعوں میں کہا کرتے تھے۔ میں نے مسیحؑ کا نام لیا ہے۔ میں ایسا فرض کر رہا ہوں کیونکہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ متی نے اس کو شعری صورت دی۔ میرا اب بھی یہ خیال ہے اور جس کے بہت مضبوط امکان ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ نے خود ہی اس عبارت کو نظم کی شکل دی اور اسی لئے میرا یہ خیال ہے کہ اصل نظم کو دوبارہ ترتیب دینا حضرت عیسیٰؑ کی اصل تعلیمات تک پہنچنے کے لئے ایک بہت ہی مفید ذریعہ بن سکتا ہے۔ میرے خیال میں کسی کو بھی اس بارے میں سنجیدہ شک نہیں ہونا چاہئے کہ حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات کا مرکزی نقطہ خدا کی بادشاہت تھا۔ ان کے نزدیک اس کا خواہ کوئی بھی مفہوم ہو اور یہ کہ انہوں نے اس بارے میں بہت کچھ کہا جو نیا' تازگی بخش اور حقیقی روح رکھتا تھا۔ اس بارے میں بھی کسی کو کوئی شک و شبہ نہیں کہ خدا کی بادشاہت کے بارے میں جو بنیادی باتیں ان کو کہنی تھیں وہ یہ تھیں کہ یہ ایک ایسی صورت حال ہو گی جس میں خدا کی مکمل حاکمیت ہو گی اور محبت گری ہوئی' مظلوم اور دھتکارے ہوئی انسانوں کے فائدے کے لئے کارفرما ہو گی۔ اس لئے ایسی کہانیاں یا باتیں جو اس قسم کے خیالات کو اجاگر کرتی ہیں وہ بہرحال مستند ہوں گی۔

کیا میں آپ سے حضرت مسیحؑ کی اخلاقی تعلیمات کے بارے میں پوچھ سکتا ہوں کہ کیا انہوں نے یہودی شریعت کو جاری رکھا یا کہ انہوں نے حضرت موسیٰؑ کے دس احکامات کی دوبارہ تجدید کی؟

انہوں نے ایسا ہی کیا۔ لیکن میرے خیال میں انہوں نے اس میں دو اہم اصلاح کیں۔ متی کے پانچویں باب میں ایک لمبا پیرا ہے جسے ہم اس کا بالکل الٹ سمجھتے ہیں۔ اس باب کے ہر پیرا کے شروع میں یہ الفاظ آتے ہیں:

"تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تھا........" اس میں حضرت عیسیٰؑ یکے بعد دیگرے حضرت موسیٰؑ کے دس احکامات کو لیتے ہیں اور ان میں وہ اس بات کا اشارہ دیتے ہیں کہ دس احکامات میں ظاہرہ اعمال کو لیا گیا ہے "وہ کام جو تم کرتے ہو" اور یہ کہ اخلاقیات کی روح کا تعلق ان ظاہرہ اعمال سے نہیں ہوتا بلکہ نیت اور کردار سے ہوتا ہے۔ یعنی اس سے کچھ زیادہ تعلق نہیں جو تم کرتے ہو' بلکہ اصل چیز یہ ہے تم کس قسم کے انسان ہو۔ صرف یہ کافی نہیں کہ ایک انسان جھوٹ نہیں بولتا جبکہ وہ حلفیہ بیان دے رہا ہو بلکہ ایک شخص کو بنیادی طور پر ایماندار ہونا چاہئے۔ جس کی ہاں کا مطلب ہمیشہ ہاں ہو اور جس کی نہیں کا مطلب ہمیشہ نہ ہو۔ یہی میرے نزدیک ایک انسان کی پہلی صفت ہونی چاہئے۔ دوسری صفت اس میں یہ ہونی چاہئے کہ وہ اخلاقیات کے بارے میں کسی قسم کی لفظ پرستی کے خلاف ہو۔ جو اخلاق اور نیکی میں بلندی کو اس حد تک پیدا کرسکے کہ اس کو خدا کے رحم کی بھی پرواہ نہ ہو۔

"کیا انجیل کہتی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ خدا کے ربانی بیٹے ہیں؟"

یوحنا کی انجیل ایسا کہتی ہے "اور گواہی دی ہے کہ یہ خدا کا بیٹا ہے" (۱:۳۴)۔ باقی انجیلیں ایسا نہیں کہتیں۔ مرقس کی انجیل کے آغاز ہی میں ذکر ہے "یسوع مسیح ابن خدا کی خوشخبری کا شروع" (۱:۱)۔ لیکن یہ نہیں کہتی کہ وہ خدا کا ربانی بیٹا ہے۔ "خدا کے بیٹے" کا خطاب مبہم ہے۔ اس لئے کہ یہ خطاب عہد نامہ قدیم میں اسرائیل کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے اور خاص طور پر اسرائیل کے بادشاہ کے لئے جیسے "سلیمان میرا بیٹا تھا"۔ "کیونکہ میں نے اسے چن لیا ہے کہ وہ میرا بیٹا ہو اور میں اس کا باپ ہوں گا" (۱۔ تواریخ ۲۸:۷)۔ پس اگر حقیقت میں حضرت عیسیٰؑ خدا کے بیٹے تھے یا خود کو خدا کا بیٹا سمجھتے تھے یا دوسرے لوگوں کو انہوں نے خود کو خدا کا بیٹا باور کرایا تو یہ ہمیں ایک اضافی لفظ "ربانی" کی طرف رہنمائی نہیں کرتے۔

پس آپ کہتے ہیں کہ اپنی زندگی کے دوران نہ حضرت عیسیٰؑ اور نہ ہی ان کے ماننے والوں نے ان کو خدا کا ربانی بیٹا سمجھا۔

میرے خیال میں جدید اصطلاح میں اس طرح کہنا چاہئے کہ اصل

سوال لفظ ربانی کے معنی کا ہے جو بہت مشکل ہے۔
کیا اس کا سادہ سا مفہوم یہ ہے: خدائے مجسم، خود خدا انسانی شکل میں۔
وہ یقیناً ان کو خدا نہیں سمجھتے تھے کیونکہ ان کے پاس ایسا نہ کرنے کی ایک معقول وجہ تھی کہ انہوں نے ان کو خدا کی عبادت کرتے دیکھا تھا۔

۱۹۴۷ء میں ایک بدو لڑکے نے بحیرہ مردار کے نزدیک ایک بڑا اہم انکشاف کیا۔ اتفاق سے ایک غار میں اسے کچھ مٹی کے مرتبان ملے جن میں سوتی کپڑے میں لپٹے ہوئے چمڑے کے بنڈل ملے۔ اب تک چھ سو کتب کے ہزاروں ٹکڑے مل چکے ہیں جو بحیرہ مردار کے صحیفے کے نام سے مشہور ہیں۔
یروشلم میں کتابوں کے عجائب گھر میں ان کتابوں کی مرمت اور مشکل عبارات کو پڑھنے کا محنت طلب کام ابھی ہو رہا ہے۔ یہ صحیفے ایک مذہبی فرقے غالباً اسینی کی خفیہ لائبریری کا حصہ ہیں جو بحیرہ مردار کے پاس قمران میں ۱۵۰ قبل مسیح سے ۶۸ عیسوی تک سخت راہبانہ زندگی گذارتے تھے۔ یہودیوں کی اکثریت جن عقائد کو مانتی تھی یہ فرقہ ان کو سراسر غلط اور تحریف شدہ مانتے ہوئے ان کو رد کرتا ہے۔ انہوں نے شریعت کی پوری پوری پابندی کرتے ہوئے اپنے لئے ایک بہتر راستہ تلاش کیا جس میں خدا کی بادشاہت کے قیام کی امید اور قدیم صحرائی اقدار پر عمل کرنا شامل تھے۔
جب ایسے لوگ گروہ میں شامل ہو جاتے ہیں تو وہ خود کو خدا کے احکامات پر نہ عمل کرنے والوں سے الگ کر لیتے ہیں اور صحرا میں نکل جاتے ہیں جیساکہ (صحیفہ میں) لکھا ہے۔ "بیابان میں خداوند کی راہ درست کرو۔ صحرا میں ہمارے خدا کے لئے شاہراہ ہموار کرو (یسعیاہ ۴۰:۳)۔ یہ راستہ اس شریعت کا مطالعہ ہے جس کا حکم اس نے حضرت موسیٰؑ کے ذریعے دیا۔ تاکہ ان سب نبیوں کی وحی پر عمل کریں جو ان پر حضرت جبرئیلؑ کے ذریعے نازل ہوئی۔
ان صحیفوں کے لکھے ہوئے کاغذ کے پلندوں کے تفصیلی تجزیے سے ان کے عہد نامہ جدید سے تعلق کے بارے میں کئی سوال پیدا ہوتے ہیں۔ یہ گروہ واضح طور پر اس احساس کو لئے ہوئے تھا کہ یہ ان کا آخری وقت ہے اور اسی لئے انہوں نے جنگ کے لئے منصوبے بھی بنائے تھے۔ اپنی منظم چھاؤنیوں میں ان کو خدا کی آمد کا انتظار تھا۔

انہیں دو مسیح یا دو عیسیٰ کی آمد کی توقع تھی، ایک مبلغ مسیح اور ایک بادشاہ مسیح اور ان کی آنکھیں ایک عظیم فتح کی ضیافت کی منتظر تھیں۔
"جب وہ ایک بڑی میز سے چیزیں اکٹھی کریں گے تو یہ مبلغ مسیح روٹی اور شراب کے پہلے نتائج کو برکت دے گا اس کے بعد اسرائیل کا مسیح اس روٹی پر اپنا ہاتھ پھیرے گا اور سارا مجمع ایک دعا پڑھے گا۔"
تقریباً ۱۴۰ قبل مسیح میں ایک شخص نے خاصی دلچسپی پیدا کر دی جو ایسا دکھائی دیتا تھا کہ گروہ کے ایک بانی رہنما کی حیثیت سے اس کی پرستش کی جاتی تھی۔ اس کے بارے میں عبارات بھی زیادہ واضح نہیں ہیں لیکن بعض شارحین کا دعویٰ ہے کہ وہ بالکل حضرت عیسیٰؑ کا ہم شکل دکھائی دیتا ہے۔ نیکی سکھانے والے اس پہلی شخصیت کے سامنے حضرت مسیحؑ ایک فرضی کردار نظر آتے ہیں۔ اس واضح اعتراض کو نظرانداز کرتے ہوئے کہ حضرت عیسیٰؑ کی طرز زندگی اور پیغام اسینی فرقے سے یکسر مختلف تھی جان الیگرو نے اس اضافہ کے ساتھ کہ یہ سچائی کا سکھانے والا صلیب دیا گیا، کے نظریہ کو اپنایا۔ بعد میں وہ فضا میں اونچی اڑان لینے لگا اور یہ دلیل دینے لگا کہ قمران اور قدیم عیسائیت دونوں کی بنیاد لنگ کی مذہبی رسومات پر ہے جس میں مقدس کھمبی بطور نشہ آور جڑی بوٹی استعمال کی جاتی تھی۔ ان قیاسات کے خلاف اس دور کے یہودی مورخ حضرت مسیحؑ کی تاریخی حیثیت کو بلاشبہ تسلیم کرتے ہیں۔
یروشلم کی عبرانی یونیورسٹی کے ڈاکٹر ڈیوڈ فلاسر جو کہ "عیسیٰ کی زندگی" کے مصنف ہیں انہوں نے اسینی فرقے کے ان صحائف کا مطالعہ کیا ہے۔
حضرت عیسیٰؑ کی سوانح عمری لکھی جا سکتی ہے اور لکھی بھی جانی چاہئے لیکن ایسا صرف یہودی تاریخی مطالعے کی مدد سے ہی کیا جا سکتا ہے اور چونکہ میں اس بارے میں زیادہ جانتا ہوں اور ان تمام باتوں کو تصور میں لا سکتا ہوں کہ حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ کیا ہوا اور حضرت عیسیٰؑ کیا چاہتے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ کیا ہوا کے بارے میں یہ بالکل واضح ہے کہ ان کی بعثت ہوئی اور انہوں نے یحییٰ بپتسمہ دینے والے سے بپتسمہ لیا اور ایسا ممکن ہے کہ انہوں نے پہلے ہی سے بطور فریسی اسینی فرقہ کے بنیادی اصول سیکھ لئے ہوں۔ تب انہوں نے تبلیغ شروع کی اور آخرکار ایک نئے جری مبلغ کی حیثیت سے یروشلم جانے کا فیصلہ کیا تاکہ یروشلم والوں کو اس کی تباہی سے خبردار کریں۔

اس سے سدوسی علماء کے نظام کو سخت تکلیف پہنچی اور وہ حضرت عیسیٰؑ کو عید فسخ پر روم لے آئے جہاں انہیں صلیب دے دی گئی۔ یحییٰ بپتسمہ دینے والے کی شروع کی ہوئی تحریک احیاء کا مرکز حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات تھیں اور انہیں خدا کی بادشاہت کے متعلق نئی سوجھ بوجھ حاصل تھی۔ جو یہودی علماء کی طرز فکر اور بنیاد پرستی کا رد عمل تھا اور وہ دنیا میں ایک پرامن فتح چاہتے تھے جس کی بنیاد اس محبت پر ہو جو آپ اپنے نفرت کرنے والوں سے کریں۔ اس لئے وہ اپنی موت سے پہلے ان سب کو جن تک ان کی رسائی ہو ایک جگہ اکٹھا کرنا چاہتے تھے۔ دوسری بات کا تعلق پہلی سے تھا کہ اس تحریک کا مرکزی نقطہ آسمانی باپ کے ساتھ ایک خاص تعلق تھا اور میں یہ کہنے کی جرات کروں گا کہ وہ خاص تعلق حضرت مسیحؑ خود تھے۔

میرے خیال میں یہ ممکن ہے اور حقیقت میں ایسا ہو بھی سکتا ہے کہ انہوں نے آخر میں علماء کے سربراہ کے سامنے اس بارے میں اس کا اقرار بھی کیا ہو۔ جب علماء کے سربراہ نے ان سے واضح طور پر اس بارے میں پوچھا ہو گا اور جبکہ نہ کہنا ہاں کہنے سے زیادہ غلطی میں مبتلا کرنے کا موجب ہوتا۔ وہاں پر بھی متن کسی طرح کے ابہام سے خالی نہیں ہے۔ لیکن میرے خیال میں یہ ممکن ہے کہ تب انہوں نے ایسا کہا ہو۔ میرا خیال ہے یہ بالکل واضح ہے کہ انہوں نے شروع میں سرعام ایسا دعویٰ نہیں کیا تھا اور اس کی وجہ معلوم کرنا زیادہ مشکل نہیں۔ لفظ مسیح ایک بہت ہی مبہم اصطلاح ہے۔ اس کے آسان معنی اسرائیل کے بپتسمہ دیئے ہوئے بادشاہ کے ہیں۔ جبکہ ۳۰ ویں صدی عیسوی میں اسرائیل پر رومیوں کا قبضہ تھا۔ مسیح کو آبادی کی بڑی اکثریت اور خاص طور پر آزادی کے لئے کوشاں خفیہ گروہ نے قبول کر لیا ہو گا جن کے متعلق ہمیں باور کرا دیا گیا ہے کہ وہ تشدد پسند اور متعصب تھے یعنی رومی قابض فوجوں کے خلاف اور آزادی کی جنگ کے علمبردار۔ لیکن یہ بات واضح طور پر ایسی ہے جس کا حضرت عیسیٰؑ کوئی ارادہ نہ رکھتے تھے۔

"کیا یہ بظاہر متضاد بات نہیں ہے کہ اوائل میں عیسائیت حضرت عیسیٰؑ کی مسیحیت کی تشکیل میں مصروف تھی اور انہیں ایک خاص نام یسوع مسیح سے پکارا جاتا۔ اور کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ تاریخی حضرت عیسیٰؑ نے اپنی زندگی کے دوران "مسیح" ہونے کے دعویٰ کا اعلان نہیں کیا۔

"میرے خیال میں ہم اس سے صرف یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ اگرچہ انہوں نے خود کبھی مسیح ہونے کا دعویٰ نہیں کیا لیکن انہوں نے جو کردار ادا کرنا تھا وہ کچھ ایسا تھا جس نے ان دعاوی کے لئے کافی بنیاد فراہم کیں جو بعد میں ان کی طرف منسوب کئے گئے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہنا چاہئے کہ اگرچہ انہوں نے خود کبھی مسیح ہونے کا دعویٰ نہیں کیا لیکن ان کے ذہن میں یہ بالکل واضح تھا کہ خدا نے انہیں ایک خاص مقصد کے لئے منتخب کیا تھا اور اس مقصد میں اسرائیل قوم کی ایک طرح کی قیادت بھی شامل تھی تاکہ ان کے ذریعہ وہ ایک نئے دور میں داخل ہوں جس کی عہدنامہ قدیم میں پیش گوئی کی گئی تھی۔ اور یہی وجہ ہے کہ آخر میں وہ یہ کہنے کے لئے تیار ہو گئے تھے کہ ہاں' میں مسیح ہوں بشرطیکہ آپ مسیح کے لفظ کو صحیح معنوں میں سمجھیں۔

لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں لفظ "بیٹے" کی طرف واپس آنا چاہئے۔ حضرت عیسیٰؑ کی طرف بہت سے اقوال منسوب کئے جاتے ہیں جن میں لفظ بیٹا آیا ہے اور میں اس کی طرف کافی اعتماد سے واپس آتا ہوں کیونکہ اس بارے میں ہمارے پاس مضبوط تاریخی بنیادیں ہیں۔ مثلاً "ابا" یہ آرامی زبان کا لفظ ہے۔ اب اس بات کی نہ صرف انجیل سے تصدیق ہوتی ہے بلکہ پال کے خطوط میں بھی یہ لفظ دو مرتبہ آیا ہے۔ اور یہ لفظ خاص طور پر حضرت عیسیٰؑ کے لئے استعمال ہوا ہے۔ ان کے زمانے کے یہودی خدا کی عبادت کرتے ہوئے اس جانی پہچانی اصطلاح "ابا" کو استعمال نہیں کرتے تھے۔ آرامی بولنے والا ایک عام بچہ بھی اپنے باپ کو مخاطب کرنے کے لئے یہودی لفظ "اوینو" یعنی "ہمارے باپ" استعمال کرتا تھا۔ یہ کہنا صحیح ہو گا کہ حضرت عیسیٰؑ نے جن خطابات کا بھی دعویٰ کیا ان میں خدا سے قربت کا ایک خاص رنگ ضرور موجود تھا۔ یعنی خدا کا بیٹا ہونے کا ایسا رنگ جو انوکھا بھی تھا اور تجرباتی بھی۔ اور ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ان کی بعثت کی اصل غرض بھی خدا کا بیٹا ہونے کے مفہوم کو سمجھنے کی جستجو تھی۔

تاریخ و حقائق

انگریزی سے ترجمہ: فائزہ عزیز' بی اے

سرینگر میں جماعت احمدیہ لاہور کا قیام۔ ۲

از محترم ڈاکٹر خورشید عالم ترین

بعد کی تاریخوں کے کچھ خطوط ظاہر کرتے ہیں کہ تعمیر کے مختلف مراحل میں سرینگر جماعت کے پاس فنڈز کی کمی ہو گئی تھی تو مرکزی انجمن مالی امداد کے لئے گرم جوشی سے آگے بڑھی۔ یہاں صرف دو خطوط درج کئے جاتے ہیں:

۱۔ ڈلہوزی' دارالسلام

۴۵-۹-۱۷

محترم بھائی شیخ صاحب

السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ

آپ کا خط ملا۔ اللہ تعالیٰ جناب چوہدری اللہ دتہ صاحب کو بہت بڑا اجر دے جنہوں نے مسجد کے آخری مراحل میں امداد اور تعاون کا ہاتھ بڑھایا ہے۔ انجمن نے کافی دن ہوئے ۱۵۰۰ روپے منظور کئے تھے۔ میں آپ کا خط مرکزی دفتر کو بھیج رہا ہوں تاکہ وہ رقم بھیج دیں۔

والسلام

محمد علی

۲۔ محترم بھائی شیخ عبدالصمد صاحب

السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ

میں سرینگر مسجد کی تکمیل کے لئے ۱۵۰۰ روپے چیک کے ذریعے بھیج رہا ہوں۔ برائے مہربانی اس رقم کو مسجد کے ان حصوں کی تکمیل کے لئے خرچ کریں جو بہت زیادہ ضروری ہوں۔

برائے مہربانی اس کام کو انجینئر کھنڈے خان صاحب کے مشورہ سے کریں۔ مرکزی انجمن کی اس مد میں ابھی ۲۵۰ روپے مزید موجود ہیں۔ انشاء اللہ یہ رقم بھی آپ کو مقررہ وقت پر بھیج دی جائے گی۔

اپنی جماعت کے لوگوں کو میرا سلام دیں۔

۱۹ اپریل ۱۹۴۵ء

آپ کا

صدرالدین

مسجد کی تکمیل کے آخری مرحلے میں سرینگر جماعت کو پھر فنڈز کی کمی پڑ گئی۔ الحاج کھنڈے خان ترین صاحب کی بیگم صاحبہ نے اپنے قیمتی زیورات کا عطیہ دیا اور تعمیر کا کام اپنی تکمیل کو پہنچا۔ ہماری عورتوں کو بھی اس نیک مثال پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

اب ہم مسجد کی عمارت کی طرف آتے ہیں۔ یہ بہت خوبصورت چار منزلہ عمارت ہے۔ سات سے آٹھ سو نمازی ایک وقت میں باآسانی نماز ادا کر سکتے ہیں۔ مسجد کی تعمیر اس طرح پر کی گئی ہے کہ یہ ایک بھرپور جدید تبلیغی مرکز کی جملہ ضروریات کو پورا کر سکے۔ سب سے نچلی منزل میں انجمن کا اپنا پریس قائم کرنے کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ سب سے اوپر کی منزل سات کمروں پر مشتمل ہے جو کہ انچارج تبلیغ اور مہمانوں کے لئے ہاسٹل کے طور پر استعمال ہو گا۔ پہلی اور دوسری منزل نماز اور درس قرآن کے لئے رکھی گئی ہے۔ ماضی میں احمدی خواتین بھی جمعہ اور عیدین کی نمازوں میں شرکت کرتی تھیں۔

دوسری منزل کو ان کے لئے مخصوص کیا گیا ہے۔ مسجد کے سامنے ایک چھوٹا سا صحن ہے جو اسے مین روڈ کے ساتھ منسلک کرتی ہے۔

بدقسمتی سے عمارت کے متعلقہ تمام منصوبوں کو عملی جامہ نہ پہنایا جا سکا۔ ہندوستان کی تقسیم کے وقت سرینگر جماعت کے تقریباً تمام سرگرم اور مخیر حضرات پاکستان ہجرت کر گئے۔ اس کے بعد سیاسی رکاوٹیں روز بروز بڑھتی گئیں۔ سرینگر جماعت بھی بہت سے سرگرم اراکین سے محروم ہو گئی۔ مرکزی انجمن لاہور سے بھی رابطہ منقطع ہو گیا۔ تقسیم سے پہلے لاہور سے ہر سال احمدی مبلغ اور احباب تشریف لاتے تھے۔ ان کی وجہ سے جماعت کے اراکین میں نیا جوش اور جذبہ پیدا ہوتا تھا۔ سرینگر جماعت کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ ان کو جماعت کے اکابرین کی مہمان نوازی اور ان کے ساتھ کام کرنے کا موقع نصیب ہوا۔ ان میں قابل ذکر ہستیاں حضرت امیر مولانا محمد علی صاحب' حضرت خواجہ کمال الدین صاحب' حضرت مولانا صدرالدین صاحب' حضرت مولانا عصمت اللہ صاحب' حضرت مولانا مدثر حسین شاہ گیلانی صاحب' حضرت مولانا عبدالحق ودیارتھی صاحب' حضرت مولانا مظفر بیگ ساطع صاحب۔ سرینگر مسجد اس لحاظ سے بہت خوش قسمت ہے کہ یہاں حضرت مولانا صدرالدین صاحب نے اس کے منبر سے کئی جمعہ کے خطبے دیئے جن میں سے زیادہ تر کا ریکارڈ اخبار "روشنی" کی فائلوں میں موجود ہے۔

"اخبار روشنی" سرینگر کا ایک اردو روزنامہ ہے جس کے مدیر ہمارے نہایت محترم عبدالعزیز شورہ صاحب ہیں جو جماعت کے ایک سرگرم رکن ہیں۔ اب وہ بہت بوڑھے اور جسمانی طور پر کمزور ہو چکے ہیں۔ انہوں نے ہی الحاج خواجہ نذیر احمد صاحب کو انگریزی میں ان کے عظیم الشان تحقیقی کام (مسیح جنت ارضی پر) میں قابل قدر معاونت کی۔ حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب نے اس مسجد میں کئی جمعہ کی نمازوں کی امامت کرائی۔ وہ یہاں پر درس قرآن بھی دیتے تھے جس میں غیر احمدی احباب بھی شرکت کرتے تھے۔ اس علاقے کے معمر لوگ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ احمدیہ مسجد' سرینگر شہر کے پڑھے لکھے لوگوں کے لئے "جامع مسجد" کا کام دیتی تھی۔ کبھی کبھی اجتماع اتنا بڑا ہو جاتا تھا کہ لوگ نہ صرف صحن میں بیٹھتے تھے بلکہ اس کے سامنے بڑی سڑک پر بھی جہاں عارضی طور پر نماز کے لئے جگہ کو نمدوں سے ڈھانپ دیا جاتا تھا لیکن افسوس اب یہ ماضی کی خوبصورت یادیں بن کر رہ گئیں ہیں۔

تقسیم کے بعد سرینگر جماعت کی حالت اس گھر کی طرح ہو گئی جو اپنی چھت اور حفاظت کرنے والوں سے محروم ہو گیا ہو۔ جماعت کے پاس اتنا پیسہ بھی نہ تھا کہ وہ اس خوبصورت عمارت کی معمولی مرمت پر بھی خرچ کر سکے۔ نتیجتاً" وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس خوبصورت مسجد کی خوبصورتی اور شان جاتی رہی۔ اخراجات کو پورا کرنے کے لئے جماعت نے سامنے صحن میں چار دکانیں تعمیر کروا دیں۔ اس نئی تعمیر نے مسجد کا تقریباً تین چوتھائی حصہ ڈھانپ لیا۔ لیکن اس اقدام سے بھی مسئلہ حل نہ ہو سکا کیونکہ کرایہ داروں نے کرائے نہ بڑھائے چنانچہ کچھ سالوں کے بعد اس آمدنی کی بھی کوئی وقعت نہ رہی۔ مناسب مرمت کے نہ ہونے کی وجہ سے مسجد کی عمارت کو بہت نقصان پہنچا۔ حتیٰ کہ پہلی منزل کا فرش جو اصل مسجد تھی بھی خطرناک حد تک خراب ہو گئی۔ یہ سب کچھ اسی طرح ہوتا رہا کیونکہ اس کے ٹھیک ہونے کا کوئی راستہ نہ تھا۔

۱۹۹۴ء میں مرمت کے کام کا آغاز کیا گیا۔ ہمارا پہلا منصوبہ صرف بہت ضروری مرمت کروانا تھا۔ لیکن جب کام شروع ہو گیا تو معلوم ہوا کہ مسجد کو مکمل مرمت کی ضرورت ہے۔ ہمارا پہلا اندازہ صرف ۲۰ یا ۳۰ ہزار روپے کا تھا لیکن پہلے مرحلہ میں ہی ڈھائی لاکھ روپے خرچ کرنے پڑے۔ خدا کا شکر ہے کہ میں اتنی بڑی رقم صرف اپنے خاندان ہی سے جمع کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ خدا تعالیٰ سب کو اجر دے۔ اس عظیم الشان کام کا نتیجہ یہ نکلا۔

۱۔ مسجد کے سامنے کے حصے کی مرمت جس نے اسے دوبارہ اس کی اصلی شکل بحال کر دی۔

۲۔ دو دکانیں کرایہ داروں سے خرید لی گئیں اور بعد میں انہیں گرا دیا

گیا۔ جس سے مسجد ایک بار پھر باہر سے نظر آنے لگی ہے۔

۳۔ مسجد کے سامنے ایک بڑا محرابی دروازہ اور دو مینار بنائے گئے ہیں۔ اس سے مسجد کی خوبصورتی میں اضافہ ہوا ہے۔ ۱۹۹۴ء تک ہم اپنی سواری صحن میں پارک نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن دکانوں کو گرانے کے بعد اور نئے آہنی گیٹ کی تعمیر سے ہمارے اپنے احاطے میں گاڑیاں پارک ہونے لگیں ہیں۔

۴۔ پہلی منزل کے کٹے پھٹے فرش کی جگہ سیمنٹ کنکریٹ کا فرش بنا دیا گیا ہے۔

۵۔ مسجد کے پورے ہال کمرے میں قالین بچھا دیا گیا ہے۔

۶۔ ایک نیا منبر جو کہ مسجد کے رنگ سے ملتا تھا تیار کیا گیا ہے۔

۷۔ بالکل نیا مائیکروفون کا نظام نصب کیا گیا ہے۔

ہم نے مرمت کے اس مرحلے کو ابھی ختم ہی کیا تھا کہ محترمہ بہن ثمینہ ساہو خان اور بھائی ڈاکٹر نعمان الٰہی ملک نے یہاں کا ایک بہت ہی مختصر دورہ کیا۔ وہ یہ سب دیکھ کر بے حد خوش ہوئے۔ امریکہ جماعت پہلے بھی اپنے سرینگر کے دورے کی تفصیلات چھاپ چکی ہے۔

میری دیرینہ خواہش تھی کہ کتابوں کی فروخت کے لئے بک ڈپو۔ ایک مطالعہ کا کمرہ' قرآن پر تحقیق کا مرکز اور ان سب سے بڑھ کر احمدیہ میوزیم (نادر ریکارڈ کی نمائش گاہ) جو ہمارے ماضی اور حال دونوں کی سرگرمیوں کی جھلک دکھا سکے۔ جس میں تحریک احمدیہ' لاہور کا تمام ادبی لٹریچر جو چھپ چکا ہے اور کسی بھی زبان میں ہے رکھا جائے' بنائے جائیں۔ ہم مسجد کی دوسری منزل کو اس مقصد کے لئے باآسانی استعمال کر سکتے تھے لیکن اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ایک بڑی رقم کی ضرورت تھی۔ ایک بار پھر میں نے جھجکتے ہوئے اس نیک مقصد کے لئے اپنے خاندان کے افراد سے درخواست کی۔ اللہ کا شکر ہے کہ میری پکار بار آور ثابت ہوئی۔ ڈیڑھ لاکھ روپے مزید خرچ کر کے اپنی دیرینہ خواہش کی تکمیل کے لئے ایک عظیم الشان عمارت بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ اب ہمارے پاس کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ' ایک کتب خانہ' مطالعہ کا کمرہ اور ایک نمائش گاہ مسجد کی دوسری منزل پر موجود ہیں۔ اس حصے کا افتتاح ۲۹ اگست ۱۹۹۶ء کو ہماری معزز بہن ثمینہ ساہو خان صاحبہ نے کیا۔ اس تقریب کی ویڈیو فلم بھی بنائی گئی۔ ثمینہ بہن نے مجھے کہا تھا کہ وہ اس فلم کی ایک کاپی ہر شاخ کو بھجوا دیں گی۔

ہم نے مسجد کی دوسری منزل پر ایک فری کلینک بھی شروع کیا ہے۔ مشورہ کے علاوہ غریب مریضوں کو مفت دوائیں بھی دی جاتی ہیں۔ علاقے کے لوگوں نے ہماری توقعات سے بڑھ کر اس کام کو سراہا ہے۔

الحمدللہ رب العالمین' وہ مریض جو علاج کے لئے آتے ہیں وہ نمائش گاہ میں بھی آ جاتے ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر لوگ اب ہمارا مفت لٹریچر بھی مانگتے ہیں۔ اللہ اسلام کی تعلیمات کو پھیلانے اور احمدیت کے مقصد کو آگے بڑھانے میں ہماری مدد فرمائے (آمین)

کچھ ماہ پہلے بی بی سی (ٹیلی وژن) انگلستان کی ایک کیمرہ ٹیم سرینگر آئی۔ اس کی قیادت جناب اینڈریو وہائٹ ہیڈ کر رہے تھے جو کہ دہلی میں اس کے نمائندہ تھے۔ وہ محلہ خانیار' میں "مسیح کی قبر" پر کچھ تحقیق کام کر رہے تھے۔ وہ ٹیم ہماری مسجد میں بھی آئی اور ہماری تمام سرگرمیوں کی فلم بنائی۔ جناب اینڈریو وہائٹ ہیڈ نے میرا انٹرویو بھی لیا۔

یہ پروگرام ۲۵ اکتوبر ۱۹۹۶ء کو بی بی سی ایشیائی چینل پر دو بار نشر کیا گیا۔ ٹیلی ویژن ٹیم کی چائے سے تواضع کی گئی۔ قرآن مجید کے انگریزی ترجمہ (از حضرت مولانا محمد علی) کی ایک کاپی بھی ٹیم کے سربراہ کو تحفہ کے طور پر دی گئی۔ جو اس نے خوشی کے ساتھ قبول کی۔ وفد کے دوسرے اراکین کو مفت لٹریچر دیا گیا۔

ختم کرنے سے پہلے میں جناب فاروق احمد بھٹ صاحب' جو کہ ہماری جماعت کے ایک سرگرم اور مخلص رکن ہیں' کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ جن کی مدد کے بغیر یہ سب ممکن نہیں تھا۔ یہ وہ بے لوث اور انتھک شخص ہیں جن کی شب و روز محنت اور لگن نے ان تمام مراحل میں کام کی نگرانی کی۔

(ماخوذ از بشارات احمدیہ' جلد ۲' نمبر ۲' دسمبر ۱۹۹۶ء' امریکہ)